صبح کا سورج

اُن کے ہاتھوں میں چراغِ سحری ہے یارو
جن کو معلوم نہیں صبح بھی کب ہوتی ہے

فیض الحسن خیالؔ

۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء

پہلی بار : (دو ہزار)

قیمت : دو روپے پچاس پیسے

پبلیشر : فیض الحسن خیال

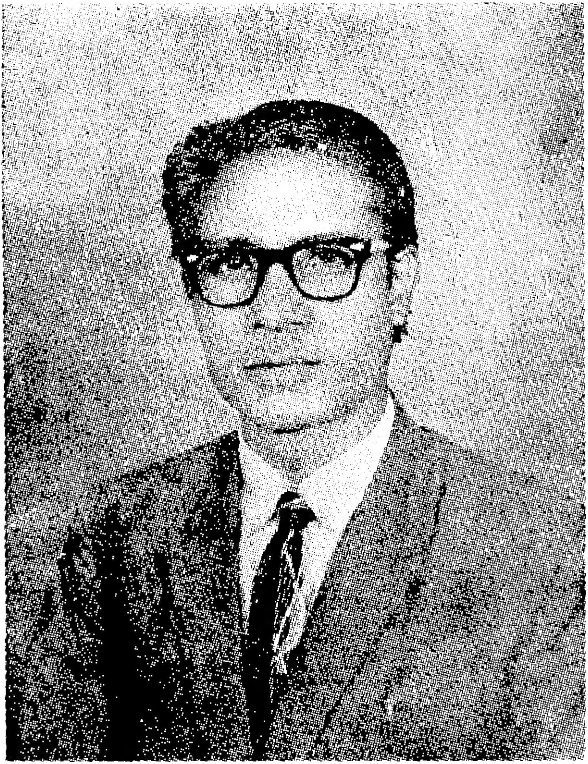
کتابت : محمد عارف الدین خوشنویس

سرورق : عبدالرحیم وفا

طباعت : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس
حیدرآباد

ملنے کے پتے :

۱۔ فیض الحسن خیال ۱۷ر ۲۲ ۔ ۱۴ ۔ ۲۰ موتی گلی حیدرآباد ۲
۲۔ ادبی ٹرسٹ بک ڈپو کمال اسپتال بالمقابل ۔ بابا لنگر حیدرآباد
۳۔ نیشنل بک ڈپو ۔ چار کمان حیدرآباد ۲
۴۔ کمرشیل بک ڈپو ۔ چار کمان حیدرآباد ۲



ستارے ڈوب گئے شمع بجھ گئی لیکن
خیال تیرا ابھی انتظار کرتا ہے

انتساب

تازہ اُجالوں کے نام ۔

اب دھندلکوں میں بھی ہے تازہ اجالوں کا خیال

شب کی دیوار ملکے گرا دو یارو

ترتیب

فیض الحسن خیالؔ کی شاعری

فیض الحسن خیالؔ حیدرآباد کی اس نئی پود سے تعلق رکھتے ہیں جن کی نوائیں بانکپن تخیل میں تابناکیٔ انداز اور جنسِ نقدِ دل سے سودا کرنا جانتی ہے۔ فیض الحسن خیالؔ نے سنہ ۱۹۵۲ء میں پہلی بار علی گڑھ کی ادبی فضا میں گنگنانا سیکھا۔ لیکن تھوڑی سی مدت میں قطب شاہ کے اس سخن بنیاد شہر کے ادبی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔

خوش قسمتی ہے کہ حیدرآباد کے شاعروں کی نئی پود خود کو تعمیر و ترقی کی غیر ادبی اصطلاحوں سے بالاتر کر چکی ہے۔ یہ اس شہر کی ادبی روایات کے عین مطابق ہے۔ اور اس کے لئے نیک فال بھی۔ اس لئے کہ شاعرانہ تخلیق سماجی ہوتے ہوئے بھی بہر حال انفرادی ہوتی ہے۔ نُدرتِ فن جماعتوں سے نہیں اشخاص سے سرزد ہوتی ہے۔ خیالؔ نے بھی اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کسی مخصوص تحریک کا ٹھپّہ اپنی شاعری پر نہ لگنے دیں۔ انھیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ شعر خارجی سطحیت سے بحث نہیں کرتا بلکہ دل کی گہرائیوں کی تھاہ لاتا ہے۔ وہ اجتماعیت کے دردِ مشترک کو انفرادیت سے متاثر کرتا ہے۔ لیکن اس کا محور تفکر

انفرادیت ہی ہوتا ہے۔

خیال کی شاعری کا پہلا مجموعۂ کلام "موجِ صبا" کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعۂ "صبح کا سورج" کے عنوان سے سات سال بعد اب شائع ہو رہا ہے۔ دونوں کے دروبست ایک انداز کا ہے یعنی پہلے منتخب نظمیں اور ان کے بعد غزلیں۔ دونوں میں غزلوں کا پلڑا نظموں سے بھاری ہے۔ ہر چند بعض نظمیں ربطِ مضمون و حدتِ تاثر اور فنکارانہ آہنگ کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں۔ دونوں مجموعوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاعر ارتقائے فن کی منزلیں برابر طے کر رہا ہے اور انکے مضمون میں بھی تبدیلیاں مسلسل ہو رہی ہیں۔ انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک تنگ و دو کا احساس ہوتا ہے۔ نیا احساس، نئے الفاظ کا پیکر اختیار کرتا ہے۔ میرے خیال میں جس شاعر کے مجموعۂ کلام میں ایسے اشعار شامل ہوں وہ یقیناً صاحبانِ ذوق کی توجہ کا مستحق ہے۔

زندگی بکنے چلی آئی ہے بازاروں میں
اس جنازے کے بھی کچھ دام لگاؤ یارو

لوگ دیوانے کو بازار میں لے آئے ہیں
زخم پھر اس کے نمودار ہوئے ہیں شاید

شراب خانے لٹاتا تھا کل جو محفل میں
وہ آج زہر کے دو گھونٹ کو ترستا ہے

جو میرے سائے سے بھی تیز تیز چلتا تھا
سفر میں کون تھا وہ ہمسفر نہیں معلوم

گھل گئی یاد کی خوشبو مری تنہائی میں !
زخم دل اور ہنسے غم کی نگہبانی میں !

سنا ہے شہر میں دیوانے پھر سے آئے ہیں
انھیں پہ قتل کے الزام سب لگا دینا

ہر نوجوان شاعر کی طرح خیال کے سامنے بھی فن اور تخلیق کا ایک لا محدود میدان ہے۔ کامرانیوں کی بلند چوٹیاں بھی ہیں اور حلقۂ صد کامِ نہنگ بھی۔۔۔۔ مذہبِ شعر جادۂ پرشوق سے کم نہیں اور ؏

جادۂ شوق میں جانے ابھی کیا کیا ہوگا (خیال)

(ڈاکٹر) مسعود حسین خاں
صدر شعبۂ لسانیات
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۱۳ مئی ۱۹۷۲ء

نقشِ ثانی

"صبح کا سورج" آپ کی خدمت میں پیش ہے جس کو میں نے احساسات کا شہر، تجربات کا تسلسل، سماج کا پرچم، حسرتوں کا محل، آگہی کا چراغ، اور دیوانگی کا زخم بنانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

"صبح کا سورج" میرا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو میرے جذبات، تجربات اور احساسات کا آئینہ ہے۔ مجھے میری ذات اور میرے ماحول نے جو کچھ دیا ہے اسی کو دہرا رہا ہوں۔ کامیابی کی حدوں کو چھوتے ہوئے تجربات کے دھاروں پر مستقل مزاجی سے چلتے رہنا۔ دھوکے اور فریب کے تاریک شہروں میں اخلاص و مروّت کی شمعیں جلانا۔ وقت کی بے باک نگاہوں سے حوصلہ مندی کے ساتھ آنکھیں ملانا۔ غیر یقینی حالات اور الجھے ہوئے ماحول کے دامن سے موتیوں کو چننا۔ سماج اور معاشرے کے عطا کیے ہوئے زخموں پر سلیقے سے مرہم رکھنا میرا مقصدِ شاعری ہے۔

"صبح کا سورج" کیلئے اردو کے نامور ادیب و نقاد ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب صدر شعبۂ لسانیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پیش لفظ لکھا ہے۔ اس عنایت کیلئے میں موصوف کا شکر گذار ہوں ....

صبح کا سورج میں اردو کے صاحبِ طرز ادیب خواجہ احمد عباس کا وہ مضمون بھی شامل ہے جو موصوف نے میرے پہلے مجموعۂ کلام "موجِ صبا" کی رسمِ اجرا کے موقع پر پڑھا تھا۔ اس کتاب میں اردو کی ممتاز و منفرد ادیبہ پروفیسر زینت ساجدہ ریڈر جامعہ عثمانیہ کا مضمون بھی شریک ہے۔ یہ مضمون بھی میری کتاب کی اشاعت کے موقع پر لکھا گیا تھا۔ میں جناب خواجہ احمد عباس اور محترمہ زینت ساجدہ کا بھی ممنون ہوں کہ جنھوں نے "موجِ صبا" پر اظہارِ خیال فرمایا.... ہ ناشکری ہوگی اگر میں حکومت آندھرا پردیش کا شکریہ ادا نہ کروں جس کی مالی اعانت کی وجہ سے میں اس کتاب کے شائع کرنے کے موقف میں رہا۔ میں اپنے دوست جناب عبدالرحیم وفا کا بھی ممنون ہوں کہ جنھوں نے اس کتاب کا بھی پہلی کتاب "موجِ صبا" کی طرح دیدہ زیب سرورق تیار کیا۔ جناب عارف الدین خوشنویس نے بھی حسنِ کتابت سے کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ میں موصوف کے علاوہ ان تمام رفقاء کا بھی شکرگذار ہوں جنھوں نے میری کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔

[illegible]

25-12-72

نئی روشنی نئی آواز!

حیدرآباد کے ان شاعروں میں جو ادھر چار پانچ سال سے مشاعروں میں اپنا کلام سنا رہے ہیں، فیض الحسن خیال پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ سننے والوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کی غزلوں کا حسن ان کی آواز کے سحر میں ہے کہ بحروں کے انتخاب میں آواز عطیۂ قدرت ہے۔ سچ پوچھئے تو ایسے ہی لوگوں کو ترنم سے پڑھنا چاہئے بے سری آواز والوں کے لیے تحت اللفظ سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔ خیال نے جتنی بھی بحریں منتخب کی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ایسی ہیں جو غزل کے صورتِ حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔

غزل عجیب و غریب صنف شاعری ہے۔ اس کا ہر شعر بجائے خود مکمل ہوتا ہے اس قدر مختصر صنف سخن کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ پھر مجاز سے لے کر حقیقت تک انسانی جذبات کے جتنے رنگ اور آہنگ ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اس میں بہ آسانی سمیٹے جا سکتے ہیں اور ہر شخص بہ قدر ظرف ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے...

مشکل ہے مشکل خیال ہو کہ آسان سے آسان بات ہر ایک کے لئے غزل کفالت کرتی ہے، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بات کچھ بھی نہ ہو تب بھی بات پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس صنف کو مقبولیت حاصل رہی۔ اردو اور اردو والوں کا مزاج... اس سے غیر معمولی طور پر ہم آہنگ ہے پھر شاعروں نے اس کی مقبولیت کو اتنا بڑھا دیا کہ جو لوگ غزل سے دامن چھڑانا چاہتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح سے وابستہ رہنے پر مجبور ہیں۔ یقین نہ آئے تو آپ نظم نگاروں کی اکثر کوششوں میں غزل کا ردِ عمل دیکھ سکتے ہیں۔ غزل ایسے وقت میں بڑی کارآمد ہے۔ جب پردہ ہی پردہ میں بات کہنے اور کہہ گزرنے کی ضرورت ہو۔ اس کے ساغر و بادہ، لب و رخسار کی بات بھی سناتے ہیں۔ اور مشاہدہ حق کی گفتگو بھی۔ یہ سب کچھ سہی مگر غزل گوئی ضبط و احتیاط کا تقاضہ کرتی ہے۔ بات اگر ذرا بھی آدابِ غزل سے ہٹ کر کہی جائے تو شاعر کی آبرو پر بن جاتی ہے۔ اس کی نوک پلک سنوارنے کے لئے صناعی اور چابکدستی کی ضرورت ہے ورنہ شعر و شاعری کا بھرم کھل جائے۔ خیال نے ٹھیک ہی کہا ہے

"حسنِ غزل کی بات طبیعت کی بات ہے"

فیض الحسن خیال میدانِ غزل میں نو وارد سہی مگر تازہ وارد نہیں۔ اس لئے اسے سنبھال کر چلتے ہیں۔ وہ آدابِ فن کی خاطر نہ فن کو قربان کرتے ہیں اور نہ حسن کی خاطر ظاہر سے لاپروائی برتتے ہیں۔ ان کے اشعار میں ظاہری حسن بھی ہے اور مقصدیت بھی لیکن مقصدیت پسندی اور منظوم اشعار نویسی میں فرق کرنا انھیں آتا ہے۔ موجِ صبا مختصر سہی لیکن ان کی شخصیت اور شاعری کو متعارف کروانے کے لئے کافی ہے
اچھے شعر کی کسوٹی یہ ہے کہ وہ سننے میں بھی اچھا معلوم ہو اور پڑھنے میں بھی اچھا

معلوم ہو .... یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ خیالؔ کا ہر شعر اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے مگر بہت سے شعر ایسے نظر آتے ہیں جو کل بھی اور کل کے بعد بھی لطف دیں گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہر دل میں خدا ہوتا ہے ∴ دل مرا توڑتے ہو لیکن یہ ذرا یاد رہے
یوں کئی چاک گریبان نظر آتے ہیں ∴ بزم یاراں میں نہیں ہم سا کوئی چاک جگر
اس سے ہٹ کر کوئی پیغام سناؤ تو سہی ∴ قصۂ دار و رسن حفظ ہے دیوانوں کو

فیض الحسن خیالؔ کی نظمیں بہ یک نظر صرف واردات غم کی تصویر معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ غم دل کے علاوہ غم دنیا اور غم ذات کے علاوہ، غم کائنات بھی ہے۔ خیالؔ نے اپنے دور کی جہد حیات کو اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ وہ کارواں کے گم کردہ راہی کو بھی جانتے ہیں اور اس کے اسباب سے بھی باخبر ہیں۔ وہ کارواں کی کوتاہیوں کا سارا الزام رہنماؤں کے سر ڈال کر مقصدیت سے گریز نہیں کرتے بلکہ چلنے والوں کی کم ہمتی کے شاکی بھی ہیں۔

نہ جانے کونسی منزل پہ کارواں ہوتا ∴ مسافروں کا اگر حوصلہ جواں ہوتا
ناخداؤں کو سہاروں کا خیال آتا ہے ∴ لے نہ ڈوبے کہیں اوروں کا سہارا یارو
میکشوں میں گر ذرا بھی جرأت رندانہ ہے ∴ چھین لیں گے ہاتھ سے ساقی کے بڑھ کر جام خود
آشیاں اپنا بنا لیں گے بنانے والے ∴ برق لہرائے خزاں چھائے کہ شعلے برسیں

ان اشعار سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ خیالؔ باشعور شاعر ہے اگرچہ خیالؔ تخلص ہے لیکن وہ صرف خوابوں میں گم ہو کر رہ جانے کے قائل نہیں۔ حوصلہ و عزم سے منزل حیات کی طرف بڑھنے کے قائل ہیں۔

غم حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں ∴ انھیں کو اہل جہاں دار پر چڑھاتے ہیں

نقش

کچھ اور حوصلے مضبوط ہو گئے دل کے ÷ جلا کے برق نے خرمن عجیب کام کیا

وہ حساس شاعر کی طرح کبھی کبھی آزردہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس آزردگی میں پست ہمتی کی علامتیں کم اور طنز کے نشتر کی کیفیت زیادہ ہے۔

سب مطمئن ہیں تجھ سے مگر یہ نہ کھل سکا ÷ کس پر عتاب کس پہ ترا التفات ہے

تمہاری بزم کا دستور ہی نرالا ہے ÷ دل و نگاہ لٹا کر بھی ہم کو کچھ نہ ملا

ہم نے بھی نہ کی حسرت دیدار کی توہین ÷ وہ صاحب جلوہ بھی سر بام نہ آیا

ہم تو مٹ جائیں گے اے دوست ہمارا کیا ہے ÷ خود ہی پچھتائیں گے اک روز مٹانے والے

انوکھا ہے دستور میخانہ ساقی ÷ کوئی پی کے بہکے کوئی پیاسا ترسے

عام طور پر غزل داخلیت کے اظہار کا ذریعہ ہے مگر جب شاعر اپنی ذات سے ہٹ کر سوچنا چاہے تو اس کے لئے بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ چنانچہ خیال نے اپنی انسان دوستی کا اظہار کس خوبی سے ذیل کے دو شعروں میں کیا ہے۔

گری بجلی جلے دو چار تنکے! ÷ دھرا کیا تھا ہمارے آشیاں میں
سوال اپنے نشیمن کا نہیں ہے ÷ لگی ہے آگ سارے گلستاں میں

اکثر اوقات خوف و فساد خلق سے جو باتیں ناگفتہ رہ جاتی ہیں غزل ان کو بہ آسانی گفتنی بنا دیتی ہے۔

زینت ساجدہ
ریڈر عثمانیہ یونیورسٹی،
حیدرآباد

مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء

موجِ صبا

مجھے ایک خوشگوار فریضہ سونپا گیا ہے کہ میں حیدرآباد کے جواں سال شا
فیض الحسن خیالؔ کی غزلوں اور نظموں کا مجموعۂ کلام "موجِ صبا" کی رسم اجرا انجام دوں
میں نے اس کتاب کا آج ہی مطالعہ کیا ہے۔ اور ابھی میں نے ان کا کلام ج
سنا۔ فیض الحسن خیالؔ نہ صرف خوبصورت غزل ہی کہتے ہیں بلکہ خوبصورت انداز میں
سناتے بھی ہیں۔ میرے خیال میں خیالؔ کا مجموعۂ کلام پڑھنے کے بعد وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں
ہمارے ادب میں جمود طاری ہے کہہ نہ سکیں گے۔ اس طرح کے مجموعوں کی اجرا ان لوگو
کے لئے خود ایک جواب ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ادب میں جمود طاری ہے۔

میں نے خیالؔ کی غزلوں اور نظموں میں بڑا ہی حسن اور تاثر پایا۔ غزل گو شا
اور نظم نگار شاعر دونوں حیثیت سے ان کا مزاج ہم آہنگ ہے۔

جب کبھی رات کے سناٹے ہیں　　تیری یادوں کے کنول کھلتے ہیں
دل کا ہر گوشہ مہک جاتا ہے　　زخمِ دل زخمِ جگر سلتے ہیں!

ص

فیض الحسن خیالؔ کی غزلوں اور غزل نما نظموں میں فلسفیانہ رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے
ان کی تخلیقات میں سماجی اور سیاسی شعور کافی نمایاں ہے۔ خیالؔ کا یہ شعر ہندوستان و پاکستان
کے موجودہ حالات کے تعلق سے کیا خوب ہے۔

جب سے احساسِ خودی اپنا ہوا ہے مجروح   غیر کیا دوست کے احسان سے ڈر لگتا ہے

اور وہ کہتے ہیں

انہی کو اہلِ جہاں دار پہ چڑھاتے ہیں   غمِ حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں
قصۂ دار و رسن حفظ ہے دیوانوں کو   اس سے ہٹ کر کوئی پیغام سناؤ تو سہی

ان کے یہ اشعار بھی نئے دور کے نئے انسان کی آواز ہیں

ہم نے ہر دور میں رکھا ہے وفاؤں کا بھرم   ہم سے مشکوک رہے پھر بھی زمانے والے
برق لہرائے خزاں چھائے کہ شعلے برسیں   آشیاں اپنا بنا لیں گے بنانے والے

خیالؔ کی ایک نظم شعلۂ حسن کا یہ حصہ ملاحظہ ہو جس میں شاعر نے اپنے آپ کو
متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔

ایک شاعر بھی اسی شہر کا اک شہری ہے
میری غزلوں کو پڑھو
گا تو ترا سنگ دل سے
شعلۂ حسن پگھل جائے گا
میری غزلیں سن کر
موم کی طرح پگھل جائے گا رفتہ رفتہ
برف بن جائے گا تنا ہوا لپکتا شعلہ

ط

میں فیض الحسن خیالؔ کو اس حسین و خوبصورت مجموعہ کی اشاعت پر
اپنی اور اہلِ جلسہ کی جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں ؛

خواجہ احمد عباس

بتاریخ
۲۹ / اکتوبر ۱۹۶۵ء۔

نظمیں

شب کے ہاتھ پہ نئی صبح کا سورج چمکا
قافلے والو اٹھو، دیدۂ روشن دیکھو!

صبح کا سورج

شب کے ماتھے پہ نئی صبح کا سورج چمکا
قافلے والو اٹھو دیدۂ روشن دیکھو

رنگ لا کر ہی رہا خواب پریشان اپنا
غیر ممکن بھی ہے دیوانوں کے حق میں ممکن
اُن کا اسلوب نئی صبح کی تاریخ بنا
لبِ شیریں رخِ روشن ہے خیالوں کی چمک
کروٹیں لینے لگے دیکھو شبوں کے آقا
آ گئے گردشِ ایام کی دھوکے میں وہ !
صاحبِ عقل و ہنر عیب کے پردوں میں چھپے
اُن کو پردوں ہی میں رہنے دو سحر ہونے تک
اُن کے کاندھوں ہی پہ ماضی کا جنازہ ہوگا
اُن کے ماتھے ہی پہ ابھریں گے تردد کے نشاں
تم ذرا اور ذرا اور ٹھہر جاؤ دوست !
سب کے ہاتھوں میں نئی صبح کا پرچم ہوگا

روشنی کا شہزادہ

غضب ہے روشنی کی چاہ میں یہ دیوانے
کرم کی آس کی دھونی رمائے بیٹھے ہیں

وہ در، جو کھلتے نہیں ہیں کبھی کرم کے لئے
وہ ہاتھ اٹھتے نہیں جو کبھی درم کے لئے
وہ دل، جو روتے نہیں ہیں کسی کے غم کے لئے
وہاں یہ آس کی محفل رچائے بیٹھے ہیں

جہاں ہوس کے خباثت کے دیپ جلتے ہیں
جہاں مہاجنوں، سیٹھوں کی بات چلتی ہے
جہاں پہ رہن ہیں، شاعر کی ساری تخلیقات
جہاں پہ رہن مغنّی کا ساز داور آواز
جہاں پہ رہن ہیں ہم سب کے روز و شب یارو
جہاں کا گوہرِ نایاب ہے خذف یارو
جہاں حیات، حوادث کا ہے ہدف یارو

•

وہاں نہ جاؤ پلٹ آؤ میرے دیوانو
تمہاری راہ، صداقت کی راہ ہے پیارو
تھمو، ٹھہر کے چلو سب کو ساتھ لے کے چلو
تو ہمات سے ٹکرائیں گے حقائق جب
تمام نور کی کرنیں سمٹ ہی جائیں گی!

•

نظر کے سامنے ہے روشنی کا شہزادہ
اُسی کو دیکھو یہاں تک کہ صبح ہو جائے

کچّا دھاگا

اجلے بے حس چہروں پر بھی
لرزاں ہے احساس کی چلمن
کیونکہ ہم نے ناپ لیا ہے
اُن کے ذہنوں کی قامت کو
مٹ گئے اُن کے نقش قدم اب
مستقبل کے جنگی ذہنوں کے ماروں کو
حال کی قدروں سے کیا مطلب
ان کے ذہنوں میں اب تک
ایٹم بم کے کالے ناگوں کے ہیں سائے
ان کے دل کی امنگیں
بجھتے بجھتے بجھ جائیں گی
تجربہ، ان کا کچا دھاگا
توڑ نہ پائیں گے
ان کے ایٹم بم کے بھالے
وقت نے ان کو آگے بڑھ کر
درد کی دولت بخشی یارو
پیار کا آنسو بن جائے گا اُن کا حال اور مستقبل
موم سے نازک بن جائیں گے آج کے سارے پتھر دل

سایہ دار درخت

چڑھتے سورج کی راہوں میں
اندھیاروں کے پاؤں کٹے ہیں
پھیلتی کرنوں کے موسم میں
یکا دکا
جگنو کے مینار کھڑے ہیں

٭

بڑھتے قدم کو اب تو نہ روکو
ورنہ گلشن پوچھے گا فصل گل کیا ہوتی ہے
زخموں کے بازار سجاؤ پرسش کے کچھ پھول کھلاؤ۔
گرم سفر ہے قافلہ، یارو
رکتے قدموں کی تھاپوں میں
تم نہ آؤ
بڑھتے جاؤ بڑھتے جاؤ سوکھے پتوں کے جنگل میں
ننگی پیڑوں پر چڑھ جاؤ
سایہ دار درخت بن جاؤ۔

پھولوں کی برسات

سج دھج کے جب صبح کا سورج
جیون امرت برسائے گا
پیار کا آنگن لہرائے گا
ٹھنڈے سپنوں کی وادی میں
اجلے ساون کے دیوتا کو جنگل ٹھہرائے گا
وقت کے بھالوں کی نوکوں کو
اجلے ساون کی برساتیں
پگھلائیں گی شمعوں کی مانند

مدھر سروں میں گیت نرالے
کرشن کنھیا کی بنسی کو
سننے سارا شہر اٹھے گا

لحظہ بہ لحظہ
ٹھنڈی ٹھنڈی
پھولوں کی برسات ہنسے گی
نیکی ہی کام آئے گی۔ یارو!
تم بھی آخر کچھ تو بولو
وعدہ اک تم پیار کا کرلو
اس دھرتی کی پتھریلی وادی کو بھی تم
گلشن کہنا
کیونکہ صبح کا شہزادہ اس رہ سے گذرنے والا ہے
تقدیر بدلنے والی ہے
ماحول بدلنے والا ہے

عذابوں کا شہر

وجود اپنا زمانے کا اک کھلونا ہے
خیال اپنا ہو جیسے چراغِ راہ گذر
مزاج اپنا ہے سر چشمۂ خرد لیکن
ابھی زمیں پہ ہیں ہم لوگ
قیدیوں کی طرح
اندھیری راتوں کا تازہ
قصیدہ زہر اجالوں کے نام پر پینا
لباسِ رہبری اوڑھے
کتابِ رہزنی پڑھنا
اور اک ادھوری کہانی کا سلسلہ بنا
جو فیض یاب ہوا اس طفیلی نسخہ سے
اُسے عذابوں کا عفریت پھر بنا دینا
کسی ہری بھری کھیتی کا بھی پتہ دینا
مگر یہ ساتھ ہی سرگوشیوں میں کہنا بھی
کہ جا کے آگ لگا دے ہر اس علاقے میں
جو امن گاہ ہے آرام گاہِ انساں ہے
کہ سارا شہر عذابوں میں مبتلا ہو جائے۔

سپیرا

تنہائی کے دروازے پر وحشت پہرہ دیتی ہے
چاروں اور بھیانک خاموشی
شہر نہ ہو مقتل ہو جیسے
سینۂ شب پر لہراتے ہیں درد کے کالے کالے ناگ
نور کا پرچم لہراؤ
صبح کا خنجر چمکاؤ
کوئی سپیرا ہم کو اپنے ناگوں سے ڈسواتا ہے
زہریلی بین بجاتا ہے
دیوانوں کے شہر میں یارو ایسا ہی دستور رہا ہے

شعلوں کا بازار

ٹھنڈی ٹھنڈی چاند کی کرنیں
شعلوں میں تبدیل ہوئی ہیں
ساون کا بھی ٹھنڈا موسم
شعلوں کا بازار بنا ہے

•

شبنم شعلہ، برف بھی شعلہ
برفیلے شہروں میں یارو
کوچہ، کوچہ، قریہ، قریہ
شعلوں کا بیوپار ہوا ہے

•

دور کھڑا اک اجنبی چہرہ
برف کی چادر اوڑھے ہے
حالانکہ یہ آگ کا تاجر!
برف کے میلے ڈھونڈ رہا ہے

●

سیٹھ مہاجن اس کے ایجنٹ
ملز کے مالک سارے بنکرس
اس کے ایجنٹ اس کے ایجنٹ

●

جن کے ذریعہ یہ گاڑھی
لے کر کالے ناگوں کی یہ پٹاری
رفتہ رفتہ کھول رہا ہے

●

دنیا والو جاگ اٹھو اب
بستی، بستی، نگری نگری!
دیکھ رہے ہیں ہم بھی تم بھی

●

شبنم کے بازاروں میں بھی
شعلوں کا بیوپار ہوا ہے

●●

٭

کوچۂ جاناں کا طواف!
آخرِ شب تھی ستاروں نے کہا
جاگ! اے صبحِ شعور
لوگ ہر بات کا افسانہ بنا دیتے ہیں
اچھے اچھوں کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
پیار؟
اس شہر میں سودے کے سوا کچھ بھی نہیں
دل!
بہت قیمتی شے ہے لیکن
حسن والوں کے کھلونے کے سوا کچھ بھی نہیں
اور اخلاص؟
صرف جسموں کی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں

٭

لوٹ جا اپنے ہی ویران سیہ خانے میں
دیکھ! خوابوں کے جزیرے سے کوئی آیا ہے
اس کے گیسو کو سنوار
تو بھی اک شاہ جہاں
وہ بھی — ممتاز محل
اپنے ویراں کدۂ دل کو سمجھ تاج محل

روشنی

بھول جا عہدِ گذشتہ کی ہر اک تلخی کو
ہاں کوئی تازہ ستم اب نہ اٹھے محفل میں
ایک مدت سے ستم دیدہ ہوں میخانہ میں
آزمائے گا مرے ظرف کو کب تک ساقی

اور آگے نہ بڑھا دستِ ستم دستِ جفا
خوں رلائے گا تجھے میری وفاؤں کا چلن
ذہن مفلس ہے تو اخلاص کی دولت دیدے
ایسے بیمار کو جینے کی بشارت دیدے
ہو سکے تو اسے گلشن کی صدارت دیدے

آج کوچے میں ترے پھر کوئی دیوانہ صفت
بھوک، افلاس کی جلتی ہوئی باتیں نہ کرے
سب میں تقسیم ہو میراث یہ میخانہ کی
جتنے بیمار ہیں ساقی ترے دیوانے ہیں

تیرے کوچے میں برابر ہیں یہ سب دیوانے
یہ امیری یہ غریبی کے دیئے محفل میں
فرق کے ساتھ کسی وقت نہ جلنے پائیں
روشنی سب کی ہے میخانہ یہ سب کا حق ہے

ایک ہی بزم میں اب جشن منانا ہوگا!
ایک ہی ساز پہ اب گیت سنانا ہوگا!

اُجالوں کے بدن

یہ اجالوں کے بدن رات کی تنہائی میں
یا کسی شیش محل میں
جل نہیں سکتے چراغوں کی طرح
کیونکہ ہم جاگ اٹھے ہیں
ہم نے انگاروں پہ چل کر یہ قسم کھائی ہے
تپ کے سورج کی طرح
روشنی پھینکیں گے ہر بھٹکتے ہوئے ذرے پر
تاکہ ہو جائے ہر اک ذرہ منور
اور ہر ٹھٹھرا ہوا جسم
شعلہ بن جائے اندھیروں کے شبستانوں میں
دائرہ بن کے اجالوں کا جب
نور پھیلائیں گے قریہ قریہ
کوہِ شب ٹوٹ کے گھل جائے گا
اور بہہ جائے گا وہ صبح کی دریاؤں میں۔

نئی صورتیں

میں روشنی کے صنم سے سوال کرتا ہوں
کہ روشنی پہ بھی کیا ظلمتوں کا قبضہ ہے
کوئی بھی چہرہ چمکتا نظر نہیں آتا
شعورِ آدم نو کا فضول چرچہ ہے

•

چمک رہی ہیں نئی صورتیں چمن کی طرف
انہی کو دیکھو یہاں تک کہ فصلِ گُل آئے
یہ اٹھنے پائیں گے ہنگامہ ہائے برق و شرر
نظر نظر میں اگر شمعِ صبح جل جائے!

•

نفس نفس میں چراغاں کریں گے اہلِ قفس
نئی سحر کی حسینہ جو گیت گائے گی!
قدم سے اس کے ملے گا سراغ فصلِ بہار
فسردہ پھولوں پہ تازہ بہار آئے گی!

•

ردائیں نور کی اوڑھے پھریں گے اہلِ چمن
ہر ایک نکھرا ہوا جسم ہو گا شعلہ بدن

نئے چراغ

تمہارے شہر میں جب انقلاب آئے گا
دوانے دار پہ پہلے چڑھائے جائیں گے
یہ اور بات ہے جشن چراغاں ہو گا مگر!
ہر ایک موڑ پہ بازار جگمگائیں گے
مگر خلوص کی فرصت یہاں کسے ہو گی
شکستہ جام کی مانند اہل میخانہ
خموشیوں کی رداؤں میں منھ چھپائیں گے

•

مگر جنوں کی نوازش کی آس باندھے ہوئے
جسارتِ غم دوراں کی داد دیتے ہوئے
سمندروں میں جنوں کے وہ ڈوب جائیں گے
نکال لائیں گے انمول پیار کے موتی
فسادِ ذہن کے ماروں کو زہرِ غم دے کر
نئے چراغ، محبت کے پھر جلائیں گے

وقت

کبھی ملنے نہیں دیں گے یہ زمانے والے
ہم کو ہنسنے نہیں دیں گے یہ رلانے والے

•

کتنے مجبور ہیں ہم دونوں قریب آ کر بھی
چین آتا نہیں قربت کا سکوں پا کر بھی
ظلمتِ بخت پہ لہراتا ہے دانش کا فسوں
راس آیا ہے نہ آئے گا محبت میں سکوں
جانے کب تک ہمیں اس آگ میں جلنا ہوگا
شمعِ خاموش کی مانند پگھلنا ہوگا

•

وقت ہے دستِ کرم، دستِ وفا، دستِ جفا
وقت انسان ہے، شیطان بھی ہے اور غم کی چتا
وقت میخانہ بھی، مقتل بھی ہے اور محفل بھی
وقت اپنا بھی ہے دشمن بھی ہے اور قاتل بھی

•

کس طرح وقت کی رفتار کے ہم ساتھ چلیں
کس طرح وقت کی آواز پہ لبیک کہیں

زہرِ خاموش

زہرِ خاموشیٔ شب پینے لگے دیوانے
لبِ گویا لبِ خاموش ہوئے جاتے ہیں
خون پی سکتا نہیں نورِ سحر کا کوئی
جل اٹھے دیکھئے وہ جامِ شہادت کے چراغ
نور پھیلائے گا ہر سمت شہیدوں کا لہو
جن کو قابو ہی نہیں نوکِ زباں پر اپنی
وقت کی آگ میں نکھر جائیں گے جل جائیں گے
شمعِ آزادیٔ انساں کی لویں کانپیں گی
جن کے ذہنوں میں ہے انساں کے تقدس کا خیال

•

جن کے سینوں میں سلگتی ہوئی قندیلیں ہیں
ان کو مل جائیں گے ہر گام پہ منزل کے نشاں

چشم پوشی

گناہوں کا عفریت
اجالوں کا قاتل
شبوں کا محافظ
نئی صبح کی شوخ کرنوں سے ڈر کر
دھندلکوں میں لپٹی ہوئی روشنی پی گیا ہے
پلاؤ نہ اُس کو کوئی زہرِ قاتل
نہ کوئی سزا دو
تعجب نہیں
جذبۂ اعترافِ گناہ جاگ اٹھے
یہ عفریت ممکن ہے کل دیوتا بن جائے

تِشنگی

سفید صبحوں کی روشنی میں
جو بڑھتے قدموں کی تاک میں ہیں
انھیں سزائیں دو زندگی کی
انھیں بھی آجائے مر کے جینا
انھیں تڑپنے دو ساحلوں پر
انھیں بھی احساسِ تشنگی ہو
جو آج موجیں اڑا رہے ہیں سفید صبحوں کا نام لے کر
انھیں خدارا
سمٹتے کل کی سزائے غم دو
انھیں اگلنے دو خون یارو
ہمارے خونِ جگر سے سینچی ہوئی بہاروں کو یہ لٹیرے
ہزاروں صدیوں سے آج تک بھی
جلا رہے ہیں مٹا رہے ہیں

خطوطِ صبح

نسیمِ صبح کا دامن جھنجھوڑنے والے
گلوں کا رشتہ بہاروں سے توڑنے والے
خزاں سے پہلے گلستاں کو چھوڑنے والے
چلے چمن سے تو جنگل میں کھو گئے یارو
اندھیری رات کے دامن میں سو گئے یارو

•

اب اُن کے ہاتھوں میں گُل کی بجائے ہیں کانٹے
اب ان کی راہوں میں پھیلے ہوئے ہیں سناٹے
تہی سبو ہو بخود، دوستوں کو کیا بانٹے
قدم قدم پہ اندھیرے ہیں اُن کی راہوں میں
نہیں ہے آئینہ صبح اُن کے ہاتھوں میں

•

خطوطِ صبح پہ یہ لوگ چل نہیں سکتے
چراغ بن کے اندھیروں میں جل نہیں سکتے
سحر کا غازہ بھی چہروں پہ مل نہیں سکتے
نظر، اسیر تماشہ ہے اُن کی گلشن میں
بجائے پھول کے شعلے ہیں اُن کے دامن میں

شمیمِ گیسوئے شب

وہی چمن ہے، وہی اہلِ گل، وہی ہیں گلاب
مگر بہار کے دامن میں خون کی بو ہے!

•

یہ اور بات ہے گلشن کی سرحدوں سے پرے
فضائیں جاگ اٹھی ہیں ترے تجسّس میں
جنوں خموش خیالوں کی چاندنی اوڑھے
ترے لبوں کے تصادم کی آس باندھے ہوئے
نفس نفس میں ہے شادابی تیری یادوں کی
نظر نظر میں چراغاں ہیں خوش تقاضوں کے
قدم قدم پہ چمن میں صبا ترے مست قدم
لہک لہک کے مخاطب ہے زخمی پھولوں سے
سنور رہی ہے گلوں کی روش پہ تنظیم

•

ترے قدم سے ہر اک ذرہ جگمگائے گا
ترے پسینے کی خوشبو سے جاگ اٹھے گی شمیم
شمیمِ گیسوئے شب گوں جو پھیل جائے گی
مرے جنوں کی ضمانت میں باندھی جائے گی
خوشی کے چاند بھی نکلیں گے غم کی دھوپ کے بعد
غموں کی ناؤ سمندر میں ڈوب جائے گی!

شبوں کا زہر

شبوں کا زہر پیئے جاتے ہیں اجالا نصیب
اب اُن کے ہونٹوں پہ گنجائش فغاں بھی نہیں
نہ اُن کے قدموں کی آواز گونجتی ہے کہیں
یہ زندہ لاشوں کی مانند چلتے پھرتے ہیں
نہ اُن کی بزم ہے بازار ہے نہ محفل ہے
نہ اُن کو باغ میں آنے کی بھی اجازت ہے

•

کہاں گلاب، یہ کانٹوں کو چھو نہیں سکتے
خوشی کہاں کی، یہ آہیں بھی بھر نہیں سکتے
سکوں تو خیر ہے اہلِ خرد کی قسمت میں
تڑپ کے آہ بھی کرتے ہوئے یہ ڈرتے ہیں
عجیب لوگ ہیں جیتے ہوئے بھی مرتے ہیں

فصلِ گُل کے چراغ

ہیں آج جن کی نگاہوں میں فصلِ گُل کے چراغ
کل اُن کے پاؤں میں زنجیر آپ دیکھیں گے

•

نہ اُن کے ہاتھوں میں پھولوں کی کوئی ڈالی ہے
نہ اُن کی آنکھوں میں آہوں کے آبگینے ہیں
نہ کوئی راستہ سجتا ہے اُن کے قدموں سے
نہ کوئی نقش ابھرتا ہے اُن کی راہوں میں
کوئی کشش بھی نہیں ہوتی اُن کے گیتوں میں
کوئی سکوں بھی نہیں ملتا اُن کے نغموں میں
خلوص اُن کا حقیقت میں ہے فریبِ خلوص
خیال اُن کا بہر رنگ ہے خیالِ خام!

•

نگاہ میں بھی نہیں اُن کی، شوقِ نظارہ
نہ اُن کی فکر میں سنجیدگی کا جھرنا ہے
نہ اُن کے پاس کوئی منزلوں کا نقشہ ہے
نہ اُن کے پاس کوئی دلفگار نغمہ ہے
یہ اور بات ہے نغمہ نگار ہیں لیکن
کوئی بھی نغمہ سلیقہ سے گا نہیں سکتے

•

اسی لئے تو مسلسل میں کہہ رہا ہوں خیال
ہیں آج جن کی نگاہوں میں فصلِ گل کے چراغ
کل اُن کے پاؤں میں زنجیر آپ دیکھیں گے

••

آگ کا شہر

آپ جب بھی ملے آفات کے شہروں میں ملے
یا فسادات کے جلتے ہوئے بازاروں میں
قتل گاہوں میں کبھی دھوپ کے شہروں میں کبھی
جب بھی ہم دونوں ملے اجنبی راہوں میں ملے

ایک مدت سے تمنا ہے کہ تنہائی میں
بولتی جاگتی دیواروں کی تصویروں میں
پیار کا آس کا اخلاص کا میں رنگ بھروں
اپنے اشکوں سے انھیں دھو کے سجا کے رکھوں
اس طرح درد کا طوفان لئے آنکھوں میں
وادیٔ خوابِ تمنا سے گذر جاتا ہوں

●

جی میں آتا ہے مرے آخرِ شب زنداں میں
کھٹکھٹاتا رہوں زنجیرِ شبِ تنہائی
آج زنداں میں اسی خواب کے افسانے کو
ہم قفس کو میں سنانے کے لئے ہوں بے چین
ہم نفس کوئی نہیں جو مرا افسانہ سنے
جانے کب مل کے یہ بیٹھیں گے سبھی دیوانے
یہ اسیرانِ قفس بھی ہیں بڑے بے پرواہ
دستِ تنہائی شب اور نہ ہو جائے دراز
دامنِ صبح پہ تاریکی نہ چھا جائے کہیں

●

روشنی پیار کی شعلہ بھی ہے شبنم بھی مگر
وقت کی تیز روی دیکھ کے چلنا ہوگا
آگ کے شہر میں شعلوں کو بھی پینا ہوگا
پیار کا شہر بسانے کے لئے دونوں کو
عمر بھر دھوپ کے شہروں میں ہی جینا ہوگا

صبح کا علاقہ

اندھیرے ساتھ لے کر چل رہے ہیں
اجالوں کی زمیں پر
صدائیں ان کی لرزیدہ
قدم بھاری
نگاہیں چپ
زبانیں بند، لب خاموش
تنفس تیز
قبائے شرم ساری اوڑھ کر
نگاہیں نیچی کرکے
ادب سے کہہ رہے ہیں
علاقہ صبح کے سورج کا آخر کھو چکے ہیں

دیوانے

تکلفات کے پردے اٹھانے والے ہیں
جنوں مزاج کرشمہ دکھانے والے ہیں
انھیں نہ، دار و رسن کی سزائیں دو یارو!
رُخِ حیات پہ یہ جگمگانے والے ہیں

•

انھی سے گرم ہے بازار، بزم، میخانے
انھی کے غم سے ہیں رنگین غم کے افسانے
انھی کے نقشِ قدم سے بہار قائم ہے
انھی کے ہاتھ میں ہر دور کے ہیں پیمانے

•

انھی کے ہاتھ میں انسانیت کا پرچم ہے
انھی کو عظمتِ انساں کی فکرِ پیہم ہے
انھی کے ہاتھوں کو جتنا بھی ہو کرو مضبوط
انھی سے جتنا کرو پیار دوستو کم ہے

•

جنوں کے سامنے جلوہ فریبی کیا شئے ہے
نظر کے سامنے پردہ نشینی کیا شئے ہے
فسونِ دردِ محبت، جو جاگ جائے دوست
مسیحِ وقت کی چارہ گری بھی کیا شئے ہے

شبِ تار

دشتِ تعبیر میں امید کی کلیاں چٹکیں
آج ہنگامۂ بیداری کے ساماں کر لو
رات کی سرد خموشی میں بھی ہے گرمیِ شوق
اب سلگتے ہوئے ہر راز کو عریاں کر لو

•

کس کی آواز در و بام سے ٹکراتی ہے!
کس نے انگڑائی لی پھر سوئے گلستاں یارو
کس کی آمد ہے بہاروں کی کرن پھوٹ پڑی
آج ہر مرحلۂ شوق ہے آساں یارو

●

آج جلتی ہوئی راہوں میں خنک چھاؤں ہے
آج ہر موڑ پہ منزل کا گماں ہوتا ہے
ساعتیں دیتی ہیں مستقبلِ رنگیں کا پیام
آج حُسنِ سحرِ زیست عیاں ہوتا ہے

●

جو رقیبِ غمِ دوراں تھے کبھی محفل میں
آج ماحول میں دلچسپیاں لے کر آئے
ان کی بدلی ہوئی نظروں کو نہ دیکھو یارو
یہ مٹا دیں گے شبِ غم کے ابھرتے سائے

●

بھول کر بھی نہ شبِ تار کا اب ذکر کرو
سینۂ شب سے وہ سورج کی کرن پھوٹ پڑی
ظلمتِ شب کے نہ افسانے بناؤ یارو
پیار کی شمع لیئے دیر سے ہے صبح کھڑی

●●

حلقۂ اربابِ وفا

سونی پلکوں کو تم اشکوں سے سجا کر دیکھو
دولتِ غم کو محبت میں لٹا کر دیکھو
روشنی پیار کی آجائے گی ویرانے میں
شمعِ دل، شمعِ محبت کے بھڑکتے شعلے
پھیل جائیں گے تو قدموں میں سویرا ہوگا

•

یہ اجالوں کے در و بام کے لیے نام صنم
خود بخود ٹوٹ کے رہ جائیں گے بے نام و نمود
توڑ ہی ڈالیں گے دیوانے یہ زنجیرِ قفس
شور اٹھے گا مساجد میں کلیساؤں میں

•

ایک ہی موڑ پہ سب قافلے آ جائیں گے
اور من و تو کا فسوں ٹوٹ کے رہ جائے گا
لبِ ہستی پہ نئے گیت بھی لہرائیں گے
اور نئی زیست کے ارمان نکل جائیں گے

•

اے نگاہِ غلط انداز گھڑی بھر تو ٹھہر
دیکھ لے گردشِ دوراں کے بدلتے نقشے
خواجگی ناز کرے گی نہ غلامی فریاد
ایک ہی جام سے مئی ہوگی ہر اک کو تقسیم
اپنی محفل میں نہ چھوٹا نہ بڑا ہوگا کوئی
ایک ہی ساز پہ گائیں گے ترانے دل کے

••

سچائی کا آئینہ

ہوا کے دوش پر اڑنا
حصارِ وقت کو یارو
بلند اخلاق سے توڑو
فضائے دشت کو بڑھ کر
تبسّم کے شراروں سے جلا دینا
گماں کی گہری ندیوں پر
یقیں کا پل بنا دینا
مکانِ آرزو میں پھر
بھڑکتے سوچ کے سورج کو چمکاؤ
لہو یادوں کا پی لو
کئی صدیوں سے دعوت دے رہا ہے
یہ بوڑھا چلچلاتا غم کا سورج
فقط سچائیوں کا آئینہ چمکاؤ دنیا میں

دستِ شفا

کچھ بھی ہو حسرتِ تعمیرِ نشیمن ہونا
برق، تعمیرِ نشیمن سے پشیماں ہونا
عہدِ ماضی کی ہر اک تلخی کو
دوستو حرفِ غلط کی مانند
صفحۂ دل سے مٹانا ہوگا
دیکھ لو! اپنی وفاؤں کی چمک جاگ اٹھی
خود پشیماں ہے جفا
اس طرف دیکھئے
پیار کا ہار لئے
آ گئے لطف و مروت کے صنم
نیا نغمہ نئے انداز سے وہ چھیڑیں گے
روشنی پیاس بجھا دے گی اندھیروں کی بھی
فرق مٹ جائے گا
شام اور صبح کے افسانوں کا
اور آگے جو بڑھیں گے
دوستو دستِ شفا
آج محفل میں جو بیمار نظر آتے ہیں
کل وہی لوگ مسیحا ہوں گے

پیار کا رنگ

شہر در شہر
سرنگوں ہو گیا تہذیب کا اونچا پرچم
زرد ہونٹوں پہ بھی ہے مہرِ خموشی یارو
جس طرف دیکھو ادھر محرومی
شب کی باہوں کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی زیست کے دروازے پر
ایک مدت سے بھکارن کی طرح
ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے سو کھڑی
مڑ کے دیکھا نہ کسی نے اس کو

۱۳

جاگ اٹھیں جو ترے دیوانے
توڑ ہی ڈالیں گے
شب کی زنجیروں کو

ضرب کاری ہی سہی
زخم گہرا ہی سہی خنجرِ شب کا لیکن
ایک ہی صبحِ مسرّت کی کرن
توڑ ڈالے گی فسونِ شب کو
ہر طرف نور کی باتیں ہوں گی
پیار کا رنگ جمانے کے لیے
ایک ہی صف میں چلے آئیں گے دیوانے ترے
چلنے لگ جائیں گے خاموش یہ میخانے ترے

اعتبارِ کرم

نئی بہار کے دامن میں بجلیاں بھی نہیں
جنوں کے پاؤں میں کیوں اب کے بیڑیاں بھی نہیں
جنوں تو پھر بھی الجھتا ہے خار زاروں سے
خرد کے ہاتھوں میں پھولوں کی پتیاں بھی نہیں

•

زمانہ ساز، زمانے کے ساتھ چلتے ہیں
بدلنے والے زمانے کا رُخ بدلتے ہیں
جنھوں نے خون دیا ہے بہارِ گلشن کو
چمن میں آج وہی لوگ ہاتھ ملتے ہیں

•

نہ قافلہ نہ کوئی رہنمائے دانا ہے
جو سامنے ہے وہ منزل، فریب خانہ ہے
نہ پوچھو عظمتِ انسانیت کا افسانہ
تمہارے شہر کی تہذیب کا نشانہ ہے

•

نئی سحر کی حسینہ کے جب کرم ہوں گے
جو خوش نصیب ہیں وہ مبتلائے غم ہوں گے
شعورِ سوزِ نہاں کو وہ لوگ ترسیں گے
جب اعتبارِ کرم کے عیاں ستم ہوں گے

•

چمن پرست تو گلشن میں ہو گئے ہیں ضم
خزاں نصیب بہاروں کے ساتھ ساتھ ہیں ہم

••

فریاد

شعلۂ درد کا جب رنگ پگھل جائے گا
تیرے انداز کا خود رنگ بدل جائے گا

●

میں بیاباں میں بھی گلشن کی خبر رکھتا ہوں
جب قفس میں تری پرچھائیں ابھرتی ہیں کبھی
خود رُلا دیتا ہے مجھ کو تری آہٹ کا خیال
حُسنِ معصوم تری ایک نظر کافی ہے
تُو نے دیکھا نہیں حالات کا آئینہ ابھی
تجھ کو ہوگا کہاں حالات کا اندازہ ابھی
میں نے انجام کی صورت میں کیا ہے آغاز
میری فریاد تو نغموں میں چھپی رہتی ہے

●

یہ الگ بات ہے خاموش پسندی میری
اہلِ دانش کے بھی آنکھوں میں نہیں سکتی ہے
ویسے میں خوش کہاں آباد کہاں رہتا ہوں
میری بربادی، تبسّم میں چھپی رہتی ہے
رو پڑوں گر تو میں افلاک میں پڑجائے شگاف
ایک آنسو بھی جو گر جائے زمیں پھٹ جائے
کونسا حادثہ آخر نہیں گذرا مجھ پر!
کونسا مرحلہ حائل نہ ہوا راہوں میں
یوں تو ارماں کا جنازہ ہے مری فکرِ رسا
صرف زندہ ہوں میں بس تیرے لئے زندہ ہوں

حصارِ شہر

نسیمِ صبحِ بہاراں جو پھیل جائیگی
دیوارِ ظلمتِ شب توڑ دیں گے دیوانے
فصیلِ صبح پہ یادوں کی مشعلیں ہوں گی
حصارِ شہر کے دروازے کھول دے گا جنوں

•

ترے خیال کے نغمے سنائے جائیں گے
ترے جمال کے قصے سنائے جائیں گے
گلوں سے ہوگا تعارف کبھی تو کانٹوں سے

•

روش روش ترے قدموں سے جاگ اٹھے گی
گل و شجر ترے قدموں کی بھیک مانگیں گے
نگاہِ برقِ و شرر کے بھی ناز اٹھائیں گے
ہزار بار نشیمن بنائے جائیں گے

•

تبسموں کے نگر میں بھی ہوگی غم کی چتا
بغیر غم کے کوئی شمع جل نہیں سکتی
بغیر غم کے کوئی بزم چل نہیں سکتی

دوری

پھولوں کا پھر موسم آیا
تم بھی آؤ
ڈالی ڈالی خوشبو پھیلے
پتّہ پتّہ امرت گھولے
موسم گیلا تم لرزیدہ
کب تک تم خاموش رہو گے
دوری کی بھی حد ہوتی ہے
پاس تو آؤ گھل مِل جاؤ
مڑ مڑ کر اب یوں نہ دیکھو
پیچھے اک طوفان کھڑا ہے
آگے بڑھ کر مدھر سروں میں
کوئی ایسا گیت الاپو
ساری دنیا پیچھے آئے
جنگل جنگل پھر اک بستی بستے بستے بس جائے گی

نگلوں کے قافلے

نشیمنوں میں کوئی مشعلیں جلاتا ہے
بہار آنے سے پہلے چمن سجاتا ہے
چمن سے دور تبسم کی چاندنی اوڑھے
نگلوں کے قافلے اس آس میں ہیں ٹھہرے ہوئے
کہ جشنِ فصلِ بہاراں میں سب کے سب ہوں گے
امیر و مفلس و نادار اور غریبِ وطن!
کوئی بھی فرق نہ ہوگا جدید محفل میں
خیال ایک، نظر ایک، ایک دل ہوں گے
کوئی غزل ہو کوئی گیت ہو کہ نغمہ ہو
تمام ایک ہی انداز کی دھنیں ہوں گی

•

بٹے ہوئے ہیں جو حلقوں میں بادہ خوار یہاں
تمام ایک ہی ساغر کے گرد گھومیں گے
یہ آس آج نہیں کل تو رنگ لائے گی
بہار آئے گی کانٹوں پہ چل کے آئے گی

نورِ مجسّم

کچھ بھی ہو جادۂ ویراں کو سجانا ہوگا
اب شہیدوں کا لہو کام میں لانا ہوگا
پھیلتے سایۂ امکاں کا سہارا لے کر
چہرۂ شب پہ کوئی داغ لگانا ہوگا

•

دیکھئے سوچ کے دریا میں تلاطم اٹھا
سینکڑوں پیاسی تمنّاوں کا طوفاں جاگا
ٹوٹ جائے گا شبِ تار کا نقلی ایواں
سامنے آئے گا وہ نورِ مجسّم اپنا

•

سایہ در سایہ نظر آئے کچھ ایسے چہرے
اجنبی تھے کہیں اپنے تھے کہیں بیگانے
عقل و دانش کا بھرم کھل گیا رفتہ رفتہ
صبح نزدیک ہے کوئی نہ مقابل ٹھہرا

••

حرفِ وفا

بات ساقی ترے پیمانے کی ہر رات چھڑی
سر ہلا، بارِ حیا سے ہوئیں پلکیں بوجھل
پر لبِ ناز کو جنبش نہ ہوئی
نہ کوئی جام نہ پیغام ملا
امتحاں گاہِ محبت ہے کہ میخانہ ہے
اپنے مے خوار کو جی بھر کے پریشان کیا
اور مشکوک نگاہوں سے مجھے دیکھا کیا
لوگ آتے بھی رہے
لوگ جاتے بھی رہے
یوں تری بزم
ہر اک دور میں چلتی ہی رہی

٭

جشن ہوتا ہی رہا
قہقہے اٹھتے رہے
بزم میں دیوانوں کے
اصلیت چھپ نہ سکی
تیرے دیوانوں کے انداز کوئی پا نہ سکا
ہائے کس جرم کی پاداش میں دیوانے تیرے
تا ابد دنیا میں تنہا ہی رہے
اپنے ہونٹوں پہ فقط نامِ وفا لے کے رہے
تا دمِ زیست چلے قافلۂ غم لے کر
راہ میں کوئی مسافر بھی شناسا نہ ملا
جس نے دیکھا انھیں دیوانہ کہا

٭

یہ تو اک رسم ہے اس دنیا کی
جو کوئی حرفِ وفا گھول کے پی جاتا ہے
اُس کو سولی پہ چڑھا دیتے ہیں
اور ممکن ہو تو اک حرفِ غلط کی مانند
اُس کو ہر صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں

٭٭

فاصلے

ضبط کی گود میں آہوں کی طرح پلتا ہوں
اور سرِ بزم پتنگے کی طرح جلتا ہوں

•

دستِ نازک سے کوئی جام پلا سکتے ہو
نہ نقابِ رخِ گلنار اٹھا سکتے ہو
اور نہ ہونٹوں کو سرِ بزم ہلا سکتے ہو
صرف یادوں کے دریچے میں کھڑے رہتے ہو
لعل و گوہر کی طرح دل میں جڑے رہتے ہو

•

چاہنے والوں کو دیوانہ بنا دیتے ہو
اور بھری بزم سے بے وجہ اٹھا دیتے ہو
فاصلے اور محبت کے بڑھا دیتے ہو
دار پر بھی نہ تو، تم دادِ وفا دے سکتے
اور نہ محفل میں بھی تم نام مرا لے سکتے

•

زخم پر زخم محبت کے لگاتے کیوں ہو
پیار کی بات کا افسانہ بناتے کیوں ہو
دل میں طوفان، محبت کا اٹھاتے کیوں ہو
جب کہ بیمار کو تم کوئی دوا دیتے ہو
نہ تو گیسوئے معطر کی ہوا دیتے ہو

•

یہ گذرگاہِ محبت ہے صلہ کچھ بھی نہیں
صرف یادوں کے سوا ہم کو ملا کچھ بھی نہیں
بات ہے بزم کی ساقی سے گلا کچھ بھی نہیں
جتنے مے خوار ہیں، مَے پی کے جیا کرتے ہیں
اور دیوانے فقط زہر پیا کرتے ہیں

میرا حبیب

دلِ ویراں کو مرے رشکِ گلستاں کر دو
سو بہ سو پیار کے اوراق پریشاں کر دو
سرخ بہ رخ حدِ نظر تک ہیں بہاریں رقصاں
کم سے کم آج تو تم درد کا درماں کر دو

•

مرحلے راہ کے آسان نظر آتے ہیں
قافلے پیار کے بے خوف و خطر آتے ہیں
عقل تجویز نہ فرمائے گی اب کوئی سزا
چارہ گر آج جو بیمار کے گھر آتے ہیں

وقت آتا ہے نظر، تلخیٔ دوراں کا رقیب
قافلے صبح کے کیا آ گئے منزل کے قریب
نامرادی کا فسوں ٹوٹ گیا ہے شاید
ہے سرِ بام کھڑا میرا پری زاد حبیب

سانس لیتا ہوں تو خوشبوئے وفا آتی ہے
کس کی آمد پہ بہار آنے کو شرماتی ہے
جگمگاتا ہے کوئی فکر کے ایوانوں میں
ذرے ذرے پہ محبت کی فضا چھاتی ہے

سیم تن، غیرتِ گل، رشکِ چمن آ ہی گیا
میرا محبوب مرا شعلہ بدن آ ہی گیا
عقل اوسان سے محروم ہوئی جاتی ہے
نامرادی میں امیدوں کا چلن آ ہی گیا

نئی بہار

نئی بہار کا دامن سلگ اٹھا یارو
سویرا کروٹیں لے لے کے سو گیا یارو
گلوں کی آگ سے گلزار جل گیا یارو
چمن میں پھر کوئی راون نفس تو آیا نہیں
دیارِ لالہ و گل کیوں اجڑ گیا یارو

•

کبھی نہ جاگے گی شاید تمہارے دل کی لگن
نہ رنگ لائے گی کب تک تمہارے دل کی جلن
ہمارے بعد تمہیں کھا نہ جائے اپنی گھٹن
غضب ہے دیش کے بچوں پہ وار کرتے ہو
تم اپنے بھائی کو ہی سوگوار کرتے ہو

•

جو ہاتھ دشمنِ ارضِ وطن پہ اُٹھتے تھے
جو ہاتھ دشمن جانِ چمن پہ اُٹھتے تھے
جو ہاتھ سایۂ دشمن کے تن پہ اُٹھتے تھے
وہ ہاتھ اپنی ہی گردن پہ چل گئے یارو
خوشی کے پھول کھلے تھے کہ جل گئے یارو

•

کبھی زبان کا جھگڑا کبھی تو مذہب کا
کبھی تو اپنے ہی گھر میں مچا ہے ہنگامہ
کبھی تو اپنی ہی عزت کا ہو گیا سودا
یہ بھیم و ارجن و ٹیپو کے دیش کے بچے
خود اپنے پاؤں کی زنجیر میں الجھتے ہیں

•

بہار بھول کے اس شہر میں نہ آئے گی
خزاں کی رت ہی گلستاں پہ آج چھائے گی
فسادِ ذہن کے ماروں کو آزمائے گی
روش نہ بدلے زمانہ تو مات کھائے گا
ضرور وقت اسے وقت پر رلائے گا

حسنِ گریزاں

تم مری کوئی غزل گاؤ غزل ساز بنو
میری آواز میں آواز ملا کر دیکھو
بات نکلی تو مری جان! تکلف نہ کرو
ہو سکے تو مرے کچھ شعر ترنم سے پڑھو
شرم غالب ہو تو آنکھوں کی زباں ہو جانا
کوئی عالم ہو مرے پیار کی خوشبو دیکھو

•

آج دو گام لہک کر مرے ہمراہ چلو
آج سب کہنہ روایات کے بندھن توڑو
شوخ ہے چشمِ زمانہ ذرا محتاط رہو
محفلِ شوق میں آؤ تو سنبھل کر آؤ
تم حسیں ہو تو مرے حسنِ سخن کو سمجھو
بات اپنی ہے پرائی نہ بنا کر دیکھو

•

تم تو ہنستے ہوئے پھولوں کو رلا دیتی ہو
ڈالی ڈالی پہ نیا زخم لگا دیتی ہو
موجۂ گل میں بھی اک آگ لگا دیتی ہو
پھول کے جسم کو گلنار بنا دیتی ہو
کس طرح باغ کی رونق کا میں نقشہ کھینچوں
میرے افکار میں بھی آگ لگا دیتی ہو

•

میرے افکار کے شیشے میں چھپی رہتی ہو
آنکھ سے دہر کی اس طرح چھپی رہتی ہو
ذہنِ پاکیزۂ فنکار بنی رہتی ہو
رخِ مہتاب کی کرنوں سے سجی رہتی ہو
یہ الگ بات ہے فطرت میں تغافل لیکن
یاد کرتا ہوں تو پلکوں پہ کھڑی رہتی ہو

انتشارِ خیال

میرے اشعار کی تفسیر بنی رہتی ہو
میرے ایوانِ تخیّل میں سجی رہتی ہو
میرے بے چین خیالوں میں بسی رہتی ہو
اس سے پہلے کہ تمہیں ڈھونڈنے جاتا میں کہیں
تم تخیّل کے دریچے میں کھڑی رہتی ہو

○

کس طرح رنج و غم و یاس کا دامن چھوڑوں
کس طرح ٹوٹی ہوئی آس کا دامن چھوڑوں
کس طرح سوزشِ احساس کا دامن چھوڑوں
کس طرح ریشمی آنچل سے کنارہ کر لوں
کس طرح بڑھتی ہوئی پیاس کا دامن چھوڑوں

●

جب کبھی عارضِ گلنار چمک جاتے ہیں
دیپ ایوانِ محبت کے بھڑک جاتے ہیں
شعر کہتا ہوں تو الفاظ بھٹک جاتے ہیں
کس طرح سوئے غزل جائے گا ایسے میں خیال
ایسے عالم میں تو فنکار بہک جاتے ہیں

●

نام لیتا ہوں تو ہونٹوں کو جلا دیتی ہو
شعر کہتا ہوں تو افسانہ بنا دیتی ہو
ایک فنکار کو تم کیسی سزا دیتی ہو
میرے تخیّل کے گمنام سیہ خانے میں
شعلۂ حُسن سے تم آگ لگا دیتی ہو

●●

اجنبی

کیا تمھیں یاد نہیں ہے کوئی انجان ڈگر
کیا تمھیں یاد نہیں ہے کوئی سنسان ڈگر

•

جس جگہ خوف، ہراسانی، پریشانی تھی
زندگی اجنبی ماحول سے گھبراتی تھی
زندگی اپنے ہی سائے سے بھی ڈر جاتی تھی

•

سرسری ایک ملاقات نے ہم دونوں کو
پاس آنے کا سمجھنے کا دیا تھا موقع!
ہائے ہم دونوں بھٹکتے ہوئے منزل کیلئے
مختلف راہوں پہ چلتے رہے حیراں حیراں
ہم سفر بن نہ سکے فاصلے حائل ہی رہے
یہ الگ بات کہ یہ پہلی ملاقات سہی
یوں لگا پھر بھی کہ مدت سے شناسائی ہے
وہ پریشان سا ماحول بھی تھا کتنا حسین
جب بھی ملتی رہیں دونوں کی پریشاں نظریں

•

جانے کیوں قہقہے اٹھتے تھے بیابانوں میں
دفعتاً ایسے میں ہم دونوں بھی ہنس پڑتے تھے
ایک لمحے کے لئے دونوں لپٹ جاتے تھے
ایک ہی جسم کی مانند نظر آتے تھے

•

رات کے بولتے سناٹے میں ہم دونوں کے
دل سلگتے تھے کبھی جسم جلا کرتے تھے
عمر بھر پیار نبھانے کی دعا کرتے تھے

•

وقت رکتا تھا جہاں دونوں ٹھہر جاتے تھے
غالباً وقت کو کچھ ہم پہ ترس آیا تھا
ورنہ حالات کے بکھرے ہوئے افسانوں میں
وقت رکتا نہیں ٹھہرے ہوئے لوگوں کے لئے
اور جب رات کے دیوتا کا فسوں ٹوٹ گیا
چھٹ گئے دھند کے طوفان کے کالے سائے
دیکھتے دیکھتے دی صبح نے آکر دستک
گیت چھیڑا تھا ہواؤں نے محبت کا مگر
جانے کس ساز کی آواز کی لے پر ہم نے
کھو دیئے قرب مسلسل کے وہ سارے لمحے!
اجنبی بن گئے منزل کے قریب آتے ہی

ہمراز

دوستو پیار کے آنچل کو اڑا لوں تو چلوں
حُسنِ محبوب کو آنکھوں میں بٹھا لوں تو چلوں

•

درِ جاناں پہ ابھی آیا ہوں سستانے دو
گرمیٔ حسن سے دل کو ذرا تڑپانے دو
سانولی شام کی وادی میں اُتر جانے دو
بُتِ کافر کو مسلمان بنا لوں تو چلوں
اس طرح شوق کا سامان بنا لوں تو چلوں

•

رخ بہ رخ رنگِ بہارِ ابدی چھایا ہے
سُو بہ سُو گیسوئے شبِ گوں کا جہاں سا ہے
شوقِ نظارہ کہاں کھینچ کے اب لایا ہے
آسمانوں سے جہاں چاند اُتر آیا ہے
رنگِ محفل کو ذرا اور جما لوں تو چلوں
شعلۂ حُسن کو آنکھوں میں بٹھا لوں تو چلوں

گرمیٔ حسن سے ہر ذرہ جلا دے ساقی
پیار کی بات نگاہوں سے سنا دے ساقی
جام پہ جام محبت کے پلا دے ساقی
آج میخانہ کا میخانہ لٹا دے ساقی
آگ ہر دل میں محبت کی لگا لوں تو چلوں
پیار کا ساز نگاہوں سے بجا لوں تو چلوں

وادیٔ شوق کی دنیا ہے نرالی یارو
ذرہ ذرہ ہے محبت کی نشانی یارو
جمپئی راہ ہے رہبر بھی گلابی یارو
شعلے برساتی ہے گلشن کی جوانی یارو
دل میں سوئے ہوئے ارمان جگا لوں تو چلوں
اک گل تر کو میں ہمراز بنا لوں تو چلوں

وہم

تم مرے پاس ہو یا کوئی ہوا کا جھونکا
لبِ خاموش ہیں یا پھول کا کھلتا چہرہ
یہ دمکتے ہوئے عارض یہ لپکتی زلفیں
پھر مرا پیار نہ بن جائے کہیں افسانہ

●

پھر مرا ہوش اڑا دے نہ تقرّب کا یقیں
غم کے ماحول میں ڈھل جائیں نہ حالات کہیں
میرے محبوب تخاطب سے نہ ہو رسوائی
دامنِ شوق میں الجھیں نہ کہیں دستِ حسیں

•

پھول سے ہاتھوں کو شعلوں سے بچائے رکھنا
ان حسیں آنکھوں کو اشکوں سے بچائے رکھنا
دستِ نازک کو نہ تم سوئے گریباں لانا
لبِ گلرنگ کو آہوں سے بچائے رکھنا

•

لوگ حالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں
تلخیٔ وہم و گماں اور بڑھا دیتے ہیں
تم قدم زن نہ ہو اس راہ میں دوری بہتر
لوگ شاعر کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

••

آئینِ میکدہ

اے کاش تیرے پیکرِ سیمیں کی روشنی
ذہنوں کی تیرگی کو بنا دیتی چاندنی
سو اضطراب حشر بپا ہوں گے جہاں میں
اخلاق کے حدود نہ توڑے گا کوئی بھی

•

سورج ہے سر پہ ہاتھ میں بجھتے ہوئے چراغ
روشن ہے دل، نظر میں اندھیروں کہیں ایاغ
بس جائیں کس طرح سے اجالوں کی بستیاں
کانٹوں سے بھی الجھتے ہیں سلجھے ہوئے دماغ

•

بے لاگ دوستی بھی ہے اے دوست دشمنی
دشمن پسند ہوتی ہے ناداں کی دوستی
کچھ فاصلے بھی کرتے ہیں ہموار راستے
ہوتی ہے سنگِ میل محبت کی زندگی

•

کیوں میکدوں میں شہر کے ہنگامہ ہے بپا
دیوانہ کوئی مدِ مقابل نہیں ہے کیا
تبدیل ہو گیا نہ ہو آئینِ میکدہ
شیشے تو ہیں سجے ہوئے تیشہ نہیں رہا

••

غزلیں

کالج کے شہر میں پتھر نہ اٹھاؤ یارو
میکدہ ہے اسے مقتل نہ بناؤ یارو

کانچ کے شہر میں پتھر نہ اٹھاؤ یارو
میکدہ ہے اسے مقتل نہ بناؤ یارو

صحنِ مقتل میں بھی میخانہ سجاؤ یارو
شب کے سناٹے میں ہنگامہ مچاؤ یارو

زندگی بکنے چلی آئی ہے بازاروں میں
اس جنازے کے بھی کچھ دام لگاؤ یارو

جن کی شہ رگ کا لہو پھول کی انگڑائی تھا
اُن کو اب حالِ گلستاں نہ سناؤ یارو

پھیلتے سایۂ شب میں نہ چلو رک رک کے
بجھتی راہوں کو کفِ پا سے سجاؤ یارو

بزمِ یاراں میں وہ کچھ سوچ کے آیا ہوگا
ایسے دیوانے کو ٹھوکر نہ لگاؤ یارو

رات ڈھل جائیگی میخانہ سنبھل جائیگا
کوئی نغمہ کوئی پیغام سناؤ یارو

زندگی رینگتی پھرتی ہے یہاں کاسہ بکف
اس کو اب وقت کا آئینہ دکھاؤ یارو

اب دھندلکوں میں بھی ہے تازہ اجالوں کا خیال
شب کی دیوار سلیقے سے گراؤ یارو

○

زخم بھی مائلِ گفتار ہوئے ہیں شاید
لوگ حالات سے بیزار ہوئے ہیں شاید

کل جو سورج کی کرن گھول کے پی جاتے تھے
آج شبنم کے طلب گار ہوئے ہیں شاید

لوگ دیوانے کو بازار میں لے آئے ہیں
زخم پھر اس کے نمودار ہوئے ہیں شاید

جو ٹھہر جاتے تھے آواز پہ میری یارو
وہ بھی اب وقت کی رفتار ہوئے ہیں شاید

راستے سرخ ہوئے جاتے ہیں میخانے کے
تیرے دیوانے گرفتار ہوئے ہیں شاید

کارخانوں میں بھی ہنگامۂ وحشت نہ رہا
کام کے لوگ بھی بیکار ہوئے ہیں شاید

زندگی پھر سے نظر آتی ہے مائل بہ کرم
پھر مرے قتل کے آثار ہوئے ہیں شاید

کل جو زنجیرِ قفس توڑ کے نکلے تھے خیال
آج وہ پھر پسِ دیوار ہوئے ہیں شاید

زمانہ پھر نئی لغزش کے ساتھ ابھرا ہے
نہ جانے کونسی یہ چال چلنے والا ہے

شبوں کے سائے میں خنجر بکف جو پھرتا تھا
وہ آج نور کا شہزادہ بن کے آیا ہے

تمام شہر کی گلیوں کو کیجیے روشن
ابھی ابھی کوئی قاتل اِدھر سے گذرا ہے

شراب خانے لٹاتا تھا کل جو محفل میں
وہ آج زہر کے دو گھونٹ کو ترستا ہے

تم اپنے شہر کی دیواریں اور اونچی کرو
کسی نے پھر درِ زنداں کو توڑ ڈالا ہے

وہ جس کے ہاتھوں میں ہمدردیوں کے تحفے تھے
اُسی نے شہر کی ہر اک گلی کو لوٹا ہے

قدم قدم پہ اندھیرا، نظر نظر تنہا!
یہ شہر، شہر نہیں کوئی قید خانہ ہے

کیواڑ کھولئے ذہنوں کے صبح جاگ اٹھی
ہر ایک موڑ پہ بکھرا ہوا اجالا ہے

پہنچ گیا ہوں نہ جانے میں کس دوراہے پر
یہاں تو دوست بھی دشمن کی طرح ٹھہرا ہے

بہت دنوں سے سبھی غور کر رہے ہیں خیالؔ
بہار میں بھی نمایاں خزاں کا حصّہ ہے

تمھیں مقامِ طلوعِ سحر نہیں معلوم
شبوں کا آئینہ خانہ اگر نہیں معلوم

ہمیں تو سرخیِ رخسار و لب سے نسبت ہے
کہاں سجا ہے وہ سورج کا گھر نہیں معلوم

جو میرے سائے سے بھی تیز تیز چلتا تھا
سفر میں کون تھا وہ ہمسفر نہیں معلوم

اجالے دفن نہیں ہوں گے شب کی مٹی میں
دھماکا صبح کا ہوگا کدھر نہیں معلوم

بہار آئی تھی کچھ لوگ مسکرائے تھے
جلے ہیں کیسے مرے بال و پر نہیں معلوم

ہے جن مکانوں پہ پوشاکِ سنگ سایہ فگن
بنیں گے کب وہ اجالوں کے گھر نہیں معلوم

صدا نہ دیجیے اونچی عمارتوں پہ کبھی
یہ کس کو راس ہوئے بام و در نہیں معلوم

چلو خیال کے ہمراہ ریگزاروں پر
سفر کا شوق ہے منزل اگر نہیں معلوم

○

کیوں دھندلکوں سے لپٹتا ہے پریشانی میں
کیا اجالا نہیں پھیلا ہے تری بستی میں

کھل گئی یاد کی خوشبو مری تنہائی میں
زخمِ دل اور ہنسے غم کی نگہبانی میں

اب مشینوں کی طرح کام کریں گے ہم لوگ
نور برسانے لگی زندگی ہر بستی میں

پاک ذہنوں میں نہ بارود بھرو نفرت کی
آگ لگ جائیگی پھولوں کی حسیں وادی میں

آپ سورج کی طرح آگ اُگلتے رہیے
تیرگی چھانے لگی صبح کی اِس وادی میں

قتل گاہوں سے ذرا دور اِدھر بھی دیکھو
رات بھی ڈوب گئی صبح کی انگنائی میں

کوئی الزام نہیں ترکِ مراسم کا اگر
کیوں اضافہ ہوا پھر تیری پشیمانی میں

دھوپ کا شہر ہو یا آگ کا دریا ہو خیال
کوئی وقفہ نہ رہا اپنی غزل خوانی میں!

لمحوں کے پگھلتے ہوئے شیشہ پہ کھڑا ہے
دیوانہ ترا شہر کا غم لوٹ رہا ہے

جب نقشِ کفِ پا کا ترے ذکر ہوا ہے
راہوں کے اندھیروں نے مجھے گھیر لیا ہے

وہ شخص جو تنہائی کے صحرا میں کھڑا ہے
سب حالِ چمن اُس کے ہی چہرے پہ لکھا ہے

پیغام بہاروں کا نہ لائے گی صبا بھی
رشتہ ترا گلشن سے اگر ٹوٹ گیا ہے

دیوانہ ترا برف کی مانند پگھل کر !
حالات کے ہر موڑ پہ خاموش رہا ہے

ہم پھر بھی تری شبنمی باتوں میں نہ آئے
دھوکا کبھی بھولے سے تو دل نے بھی دیا ہے

ذہنوں میں روایات کی کھیتی نہ اگاؤ
ذہنوں کا جو سودا ہے وہ مہنگا بھی پڑا ہے

سمجھو گے کہاں تم مرے اندازِ غزل کو
یہ درد کا افسانہ ہے حرف و صدا ہے

غم خانے میں ہے شمعِ خیال آج بھی روشن
یادوں کے دریچوں سے کوئی جھانک رہا ہے

بقدرِ حوصلۂ ضبط، زہر کھایا ہے
ضرورتوں نے مرا ظرف آزمایا ہے

کسی دیار کسی آستاں کی قید نہیں
ترا خیال جہاں آیا سر جھکایا ہے

اٹھا لیا ہے نگاہوں پہ میکدہ ہم نے
شراب میں بھی ترے گیسوؤں کا سایا ہے

نوازشِ غمِ پنہاں بہت غنیمت تھی
مسرتوں نے بھری بزم سے اٹھایا ہے

صبا ہے نرم قدم ہے تمہارے غم کا خیال
ہجومِ درد میں ہر زخم مسکرایا ہے

گلی گلی میں تری کج روی کے چرچے تھے
مری وفا نے ترا بانکپن بڑھایا ہے

خدا کرے کہ غمِ دوست ہو عطا سب کو
غموں کو پا کے جنوں نے جہاں کو پایا ہے

شریکِ جام تمہارا خیال کیوں نہ رہے
کہ میکدہ میں تمہارا خیال آیا ہے

○

یوں تو فریاد مری آہ بہ لب ہوتی ہے
عرضِ احوال کی فرصت مجھے کب ہوتی ہے

اُن کے ہاتھوں میں چراغِ سحری ہے یارو
جن کو معلوم نہیں صبح بھی کب ہوتی ہے

بعض اوقات بہ اندازِ کرم بربادی
جانے پہچانے ہی لوگوں کے سبب ہوتی ہے

تیری یادوں کے جہاں شیش محل ہوتے ہیں
ہائے اس شہر کی کیا دیدنی شب ہوتی ہے

پاؤں تھک جائیں جہاں میں وہیں رک جاتا ہوں
منزلِ دوست جہاں ہو وہیں شب ہوتی ہے

ہم مسیحا جنھیں سمجھے وہی قاتل نکلے
ہائے اپنوں کی بھی امداد غضب ہوتی ہے

تابِ جلووں کی رہے یا نہ رہے آنکھوں میں
ہر نظر پیار کی دیدار طلب ہوتی ہے

جرأتِ عرضِ تمنّا کی اجازت بھی نہیں
آپ کے غم کی حکومت بھی عجب ہوتی ہے

دل میں کیا کیا نہ تھا کچھ کہہ نہ سکا اُن سے خیالؔ
کشمکش عرضِ تمنّا کی عجب ہوتی ہے

صبح نو لاتی ہے ہر شام تمہیں کیا معلوم
زخم خوشیوں کے ہیں پیغام تمہیں کیا معلوم

بھول کر بھی جو کسی بزم میں آیا نہ گیا
سینکڑوں اس پہ ہیں الزام تمہیں کیا معلوم

لوگ گلشن میں تو چلتے ہیں سرافرازی سے
ان میں کتنے ہیں تہہِ دام تمہیں کیا معلوم

کچھ اندھیرے بھی خطاوارِ تباہی ہیں مگر
روشنی پر بھی ہے الزام تمہیں کیا معلوم

جس کو تم ڈھونڈتے ہو شمع رخِ ناز لئے
وہ تو عرصے سے ہے گمنام تمہیں کیا معلوم

جو رخِ زیست پہ تھا حرفِ غلط کی مانند
مل رہا ہے اُسے انعام تمہیں کیا معلوم

جو کفن باندھ کے چلتے ہیں وفا کی رہ میں
زندگی کر چکے نیلام تمہیں کیا معلوم

سرخرو کون ہوا کوچۂ جاناں میں کبھی
نامور بھی ہوئے بدنام تمہیں کیا معلوم

دو قدم بھی نہ چلے راہِ وفا میں ہم لوگ
ہے ابھی ذوقِ طلب خام تمہیں کیا معلوم

جو چلا رات کی تنہائی میں اس پر بھی خیال
بے وفائی کا ہے الزام تمہیں کیا معلوم

O

لوگ کہتے ہیں کہ قاتل کو مسیحا کہیے
کیسے ممکن ہے اندھیروں کو اجالا کہیے

چہرے پڑھنا تو سبھی سیکھ گئے ہیں لیکن
کیسی تہذیب ہے اپنوں کو پرایا کہیے

جانے پہچانے ہوئے چہرے نظر آتے ہیں
وقت قاتل ہے یہاں کس کو مسیحا کہیے

آپ جس پیڑ کے سائے میں کھڑے ہیں اس کو
صحنِ گلشن نہیں جلتا ہوا صحرا کہیے

سب کے چہروں پہ ہیں اخلاق و مروت کے نقاب
کس کو اپنا یہاں اور کس کو پرایا کہیے

شب کے ماتھے پہ کوئی سایہ نمودار ہوا
اس کو اب پیار کے آنگن کا سویرا کہیے

زہرِ تنہائی غمِ پی کے محبت میں خیالؔ
کس طرح موت کو جینے کا سہارا کہیے

○

لوگ حالات کے حلقوں میں بٹے جاتے ہیں
زندہ رہنے کے لئے زہر پیئے جاتے ہیں

عمر بھر جو رہے سائے کی طرح ساتھ مرے
دیکھ کر وہ مجھے انجان چلے جاتے ہیں

اتنے نازک سے قدم کس کے ہیں دیکھو یارو
جو قریب آ کے بہت دور چلے جاتے ہیں

کس کی آنکھوں کا تصرف ہے مری راہوں میں
ہر قدم پر نئے میخانے بنے جاتے ہیں

کوئی ماحول ہو، بازار ہو یا محفل ہو
تیرے دیوانے تو پہچان لیئے جاتے ہیں

کل جو گلشن میں بھی مقتل کو سجائے تھے خیال
آج وہ دشت کی دیوار بنے جاتے ہیں!

O

جو زندگی کا طلبگار ہو مٹا دینا   یہ ایسا دور ہے قاتل کو بھی دعا دینا

بس ایک بار گلستاں کو دیکھ لینے دو   پھر اس کے بعد نشیمن مرا جلا دینا

شبوں کا زہر جو تقسیم کر نہیں سکتیں   تم ایسی شمعیں سرِ شام ہی بجھا دینا

کہیں نہ ڈھونڈ لیں یادوں کے قافلے تم کو   تم اپنے نقشِ کفِ پا کو بھی مٹا دینا

پھر اپنے زخموں کو دیوانے کر چکے روشن   خوشی سے فصلِ بہاراں کو اب صدا دینا

محبتوں میں وفا کا یہی تقاضا ہے   ہزار زخم سہی پھر بھی مسکرا دینا

سنا ہے شہر میں دیوانے پھر سے آئے ہیں   انہیں پہ قتل کے الزام سب لگا دینا

خوشی کی صبح کے غم کو خرید لیتے ہیں جہاں
خیال ہم کو بھی اس شہر کا پتہ دینا

نیا طوفاں کنارے پر کھڑا ہے
لہو انساں کا پھر مانگتا ہے

تم ایسے شہر میں لائے ہو مجھ کو
جہاں ہر میکدہ ویراں پڑا ہے

ترا دیوانہ بزمِ صبح میں بھی
چراغِ شام بن کر جل رہا ہے

اُسی کا ذکر گلشن میں نہیں ہے
لہو جس نے بہاروں کو دیا ہے

وہاں کیوں زندگی کو ڈھونڈتے ہو
جہاں انساں کا خوں بک رہا ہے

خدا رکھے سلامت جوشِ وحشت
دیوانہ پھر چمن میں آ گیا ہے

تمناؤں کی کشتی کھینے والو
سمندر درد کا غم مانگتا ہے

خیال اُس کی پرستش کر رہا ہے
مجھے تحفے میں جس نے غم دیا ہے

ہمارے زخم جو گلزار بن گئے یارو
ہم اپنے آپ خریدار بن گئے یارو

جو شاخِ گُل کی طرح تھے کبھی گلستاں میں
وہ آج وقت کی تلوار بن گئے یارو

اُٹھا سکے جو نہ تازہ لہو کے پیمانے
وہ رند کتنے گنہگار بن گئے یارو

وہ دوست جن کو تکلف نہ تھا کبھی ہم سے
وہ آج وقت کی گفتار بن گئے یارو

جلوسِ فصلِ بہاراں کے ساتھ تھے جو کبھی
وہ کالی راتوں کے مینار بن گئے یارو

ہمارا خون بھی گلشن کے کام آیا ہے
چمن میں جینے کے آثار بن گئے یارو

جو پھول میں نے چنے تھے ہزار پھولوں میں
وہ پھول میرے لئے خار بن گئے یارو

خیالِ دوست نے مجروح کر دیا ہو گا
جو چارہ گر تھے وہ بیمار بن گئے یارو!

وہ جتنے دور ہیں اتنے ہی میرے پاس بھی ہیں
یہ اور بات ہے خوش ہیں مگر اداس بھی ہیں

یہ دیکھنا ہے ہمیں کس کا ذوق کیسا ہے
یہاں شراب بھی ہے زہر کے گلاس بھی ہیں

انہی پہ تہمتِ دیوانگی لگاتے ہو
جو اتفاق سے محفل میں روشناس بھی ہیں

جو روشنی کے لبادے کو اوڑھ کر آئے
شبِ سیاہ کے وہ ماتمی لباس بھی ہیں

تم اپنے شہر میں امن و اماں کی بات کرو
جہاں سکون ہے وہاں لوگ بدحواس بھی ہیں

غزل کے ساز میں فیض الحسن خیالؔ جہاں
وہاں پہ آہ بہ لب بھی ہیں محوِ یاس بھی ہیں

دوستو وقت کے اب شانہ بہ شانہ چلنا
ورنہ خاطر میں نہ لائے گی یہ ظالم دنیا

تیرگی صبح سے ٹکرائے گی جب شب کی چٹان
گونگا سناٹا بھی کچھ بولنے لگ جائیگا

تم سے اے دوستو دیرینہ ملاقات سہی
میری تفصیل میں جانے کی نہ کوشش کرنا

بجھ نہیں سکتے ہواؤں سے دعاؤں کے چراغ
بد دعا دیجئے دیوانہ نہیں مر سکتا

تیز رو وقت کے تم ساتھ چلے تھے لیکن
میری آواز کو سن کر تمہیں رُکنا ہی پڑا

میں تو گمنام ہوں، گمنام ہی رہنے دے مجھے
میرے حالات کا اے دوست نہ افسانہ بنا

زندگی جشنِ مسرت نہیں کچھ اور بھی ہے
آپ نے شامِ غریباں کو تو دیکھا ہوگا

چھپ نہیں سکتی اندھیروں میں اجالوں کی لکیر
تم اندھیروں سے نکل آؤ تو اچھا ہوگا

چاندنی لُوٹ لی لوگوں نے اجالوں کی خیال
اپنے دیوانوں کی راہوں میں اندھیرا ہی رہا!

○

ن در چمن بہار چلے تمہارے نام سے گلشن کے کاروبار چلے

، ترا احترام کرتے ہوئے ہم اپنے شہر کی گلیوں سے سوئے دار چلے

ہے غافل چلے سرِ منزل دوانے کوچۂ جاناں میں ہوشیار چلے

پہ، عزمِ سفر نگاہوں میں چلن جفا کا مٹانے وفا شعار چلے

ہ تازہ الو تبسم کا! غمِ حیات کا تا حشر اقتدار چلے

روزگار زندہ باد! کرم کی آس میں فرزانے بیقرار چلے
ار

بہاروں کے منہ کو تکتے رہے چمن میں ظلم ہے گلچیں کا اختیار چلے

خیال، زلفِ شکن در شکن کی بات کرو
نفس نفس ہیں غنیمت ہے ذکرِ یار چلے

ہم نے صحرا کو سجایا تھا گلستاں کی طرح
تم نے گلشن کو بنایا ہے بیاباں کی طرح

رات کا زہر پیئے خواب کا آنچل اوڑھے
کون ہے ساتھ مرے گردشِ دوراں کی طرح

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اب تک بھی میں صحرا صحرا
اسی لمحے کو جو تھا فصلِ بہاراں کی طرح

مصلحت کوش زمانے کا بھروسہ کیا ہے
جو بھی ملتا ہے یہاں گردشِ دوراں کی طرح

آج وہ لمحے مجھے ڈستے ہیں تنہا پا کر
کبھی محبوب تھے جو مجھ کو دل و جاں کی طرح

جانے کیا بات ہے کیوں جشنِ مسرت میں ندیم
یاد آتی ہے تری، شامِ غریباں کی طرح

کب تلک شہر کی گلیوں میں پھرو گے یارو
آسمانوں پہ اڑو تختِ سلیماں کی طرح

یہ تو پروانوں کے دل ہیں جو پگھل جاتے ہیں
کون جلتا ہے یہاں شمعِ شبستاں کی طرح

کون خوابوں کے جزیرے سے چلا آیا خیال
دل میں اک روشنی ہے صبحِ درخشاں کی طرح

○

جہاں جہاں بھی دیوانوں کا رقص جاری ہے
وہاں سکون پسندوں میں بے قراری ہے

فسادِ ذہن کے ماروں سے کچھ جواب تو لو
چمن کے لٹنے کی کس کس پہ ذمہ داری ہے

کھڑا ہے دشمنِ جاں سر اٹھائے مقتل میں
نمازِ عشق دیوانوں کی پھر بھی جاری ہے

جفا پہ ناز، ستم پر تمہارے خوش ہیں ہم
مگر یہ کیا ہے، وفاؤں کی پاس داری ہے

عبث ہے شکوہ کہ بیگانے ہیں یہ دیوانے
نگاہِ وقت میں غم ہے نہ غمگساری ہے

ابھر سکیں گے نہ نقشِ خیال میرے کبھی
حقیقتوں پہ فسانوں کا نشہ طاری ہے

ضرور نکھرے گا اب اہلِ کارواں کا لہو
خیال، چہرۂ رہبر پہ شرمساری ہے

O

ایک مدت سے سرِ بام وہ آیا بھی نہیں
ہم کو اب حسرتِ دیدار تمنّا بھی نہیں

جادۂ شوق میں تنہا بھی ہوں تنہا بھی نہیں
کیا حسیں بات ہے رسوا بھی ہوں رسوا بھی نہیں

تم جو ناراض ہوئے ہو گئی دنیا برہم
اب تو گرتی ہوئی دیوار کا سایہ بھی نہیں

کس کو میں دوست کہوں کس کو میں دشمن جانو
سبھی اپنے ہیں یہاں کوئی پرایا بھی نہیں

آج تک بھی میں پرستش تو کئے جاتا ہوں
یہ الگ بات کہ میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں

صبح کی شمعیں لئے پھرتے ہو کیوں دیوانو
رشتۂ شب تو ابھی خیر سے ٹوٹا بھی نہیں

تو تخیّل کے دریچے میں تھا کھویا کھویا!
پیکرِ حُسن تجھے میں نے جگایا بھی نہیں

کس طرح غم کو میں تقسیم کروں گا یارو
قصۂ درد کو حالات نے سمجھا بھی نہیں

کب تلک چلنا پڑے گا ہمیں تنہا تنہا
اب کسی موڑ پہ مل جائینگے ایسا بھی نہیں

رُوبرو اُن کے مرے ہونٹ نہ کھلنے پائے
دل کو اظہارِ تمنّا کا سہارا بھی نہیں

جانے کیا سوچ کے اُس نے مجھے دیوانہ کہا
ہائے اُس کو ابھی محفل پہ بھروسہ بھی نہیں

رابطے جوڑنے نکلا تھا میں انساں کے خیال
کسی انساں نے مجھے پیار سے دیکھا بھی نہیں

○

دیدۂ صبح پہ شبنم کا جو احساں ہوتا
دستِ احساس اجالوں میں نہ ارزاں ہوتا

کاش وہ حسنِ گریزاں جو پشیماں ہوتا
کس سلیقہ سے مرے درد کا درماں ہوتا

رُخ نہ کرتے کبھی ہم بھول کے میخانہ کا
تیری یادوں کا اگر خواب زر افشاں ہوتا

کاش وہ جرأتِ اقرارِ وفا سے پہلے
میری یادوں کے حسیں شہر میں رقصاں ہوتا

میرے ماضی کا ہر اک زخم مہک جاتا خیالؔ
دو گھڑی کے لئے اے کاش وہ مہماں ہوتا!

○

جانے کیا سوچ کے اُس نے ستم ایجاد کیا
خود بھی برباد ہوا مجھ کو بھی برباد کیا

شمع کی طرح جلے ہم تری محفل میں مگر!
تو نے کس وقت ہمیں کونسی شب یاد کیا

جنبشِ لب کی اجازت ہے نہ اذنِ پرواز
کس لئے تو نے مجھے قید سے آزاد کیا

شکر ہے تو نے مجھے درد کے قابل سمجھا
تیری پیماں شکنی نے مرا دل شاد کیا

ہائے اُس شخص کی خاطر شکنی ہوتی ہے
جس نے اپنے کو تیری یاد میں برباد کیا

اپنی بربادی پہ نازاں بھی ہوں حیراں بھی ہوں
شمعیں روشن ہوئیں جب میں نے تجھے یاد کیا

تجھ کو یہ ناز کہ تو خالقِ نغمہ ہے خیالؔ
مجھ کو یہ فخر کہ تو نے مجھے برباد کیا

سب کے ہاتھوں میں نئے ساز نظر آتے ہیں
قافلے والے ہم آواز نظر آتے ہیں

جن کو دعویٰ تھا رگِ جاں کے قریں رہنے کا
جانے کیوں دور کی آواز نظر آتے ہیں

کل جو محفل میں تری جلتے تھے شمعوں کی طرح
وہی پروانے سرافراز نظر آتے ہیں

نالہ کش بھی ترے کوچے میں بنے نغمہ پرست
تیری آواز کے اعجاز نظر آتے ہیں

عرضِ احوال کی فرصت بھی گراں ہے یارو
چہرے حالات کے غماز نظر آتے ہیں

یہ شبِ تار میں جو روشنی ہے زخموں کی
تیرے دیوانوں کے انداز نظر آتے ہیں

لذتِ بے خودیٔ شوق سلامت ہے خیالؔ
اب ستم گر بھی کرم ساز نظر آتے ہیں!

گل بداماں نہ کوئی خار زباں ہے یارو
یہ گلستاں ہے کہ غزالوں کا جہاں ہے یارو

جانے کیا بات ہے گلشن میں دھواں ہے یارو
کوئی دیوانہ کہیں شعلہ بجاں ہے یارو

روشنی پیار کی تقسیم کرو آپس میں
صبح روشن یہ بھی ظلمت کا گماں ہے یارو

عظمت تاج محل اپنی جگہ خوب سہی
میری آنکھوں میں فقط شاہ جہاں ہے یارو

رونق بزم رہے جس کے جنوں کے چرچے
آج محفل میں وہ دیوانہ کہاں ہے یارو

جو شب غم کی نگاہوں میں پھرا کرتی تھی
ہائے وہ بولتی تصویر کہاں ہے یارو

کل تو اخلاص کے بازار سجا کرتے تھے
آج ہر موڑ پہ دھوکے کی دکاں ہے یارو

کل جو بازار میں رندوں کا لہو پیتے تھے
آج میخانے میں وہ پیر مغاں ہے یارو

ان کی زلفیں جو کھلیں آ گیا گلشن کا خیال
خود بخود ہو گیا ماحول غزل خواں ہے یارو

خلوصِ پیار کا دامن جھنجوڑ دیتے ہیں
مری وفا کا وہ آئینہ توڑ دیتے ہیں

نگاہِ ناز میں جب تازگی نہیں ہوتی
ہم اپنے دامنِ دل کو نچوڑ دیتے ہیں

فسانہ غم کا سنائیں کہ گائیں کوئی غزل
یہ فیصلہ تری محفل پہ چھوڑ دیتے ہیں

جب اُن کی آنکھوں میں اشکوں کے دیپ ہوں رقصاں
اصولِ غم کو مروت سے توڑ دیتے ہیں

دلِ غریب میں اک عمر جگمگا کے وہ
کرم کا آس کا فانوس پھوڑ دیتے ہیں

کسی کے ہونٹ جو کھلتے نہیں سرِ محفل
زباں کی بات نگاہوں پہ چھوڑ دیتے ہیں

فسونِ عقل کے ماروں کو زہرِ غم دے کر
وہ رخ زمانے کا اس طرح موڑ دیتے ہیں

لبِ حیات کی وہ تشنگی بجھا کے خیال
غمِ حیات سے کیوں رشتہ جوڑ دیتے ہیں

تمہاری بزم میں خاموش دِل پگھلتے ہیں
تمام رات چراغوں کی طرح جلتے ہیں

اجالے قہر نہ برسائیں ظلمتِ شب پر
زمینِ صبح پہ آشفتہ سر بھی چلتے ہیں

صدائیں دی تھیں بڑے پیار سے اجالوں کو
مگر ہم آج اندھیروں کے ساتھ چلتے ہیں

جدھر دیوانے چلے اُس طرف بہار آئی
چمن میں اہلِ خرد صرف ہاتھ ملتے ہیں

خود اپنے بخت کے گیسو سنور نہیں سکتے
کہاں سے گیسوئے جاناں کے بل نکلتے ہیں

دیوانو تھام لو اب بھیگی رات کا آنچل
سنا ہے صبح کے آنچل میں شعلے پلتے ہیں

جو تھام لیتے ہیں کرنوں کے نرم دامن کو
خیالِ وقت کی آنکھوں میں وہ بھی سلتے ہیں

دشتِ تنہائی میں گلزار بنے بیٹھے ہیں
جانے کس وعدہ کا اقرار بنے بیٹھے ہیں

آرزوؤں کے جزیرے کے مصوّر سے کہو
ہم تمنّاؤں کے شاہکار بنے بیٹھے ہیں

کل جو محصور تھے تنہائی کی دیواروں میں
آج وہ رونقِ بازار بنے بیٹھے ہیں

ہم سے آدابِ وفا پوچھتے کیا ہو یارو
ہم محبّت کے گنہگار بنے بیٹھے ہیں

سینۂ شب میں اتر جائیں گے رفتہ رفتہ
ہم اجالوں کے خریدار بنے بیٹھے ہیں

دھوپ اب وقت کی پگھلا نہیں سکتی ہم کو
سایۂ گیسوئے دلدار بنے بیٹھے ہیں

آپ آئینۂ حالات کو چمکا دیجیے
ہم نئی صبح کے آثار بنے بیٹھے ہیں

رنگ کیا لائے گی اب جرأتِ پروازِ خیال
لوگ حالات کی دیوار بنے بیٹھے ہیں

O

لوگ حالات کے شیشے میں اتر جاتے ہیں
زندگانی کے جب اوراق بکھر جاتے ہیں

اِس طرف آپ کی آنکھیں ہیں اُدھر میخانہ
دیکھنا یہ ہے کہ دیوانے کدھر جاتے ہیں

زندگی اُن کے ہی قدموں سے لپٹ جاتی ہے
جو تری راہ میں ہنستے ہوئے مر جاتے ہیں

پہن کے آئے تھے جہاں ہم بھی زخموں کے لباس
جانے کیوں پھر اُسی صحرا میں ٹھہر جاتے ہیں

بھید کھلتا نہیں زخموں کے گلستاں کا کبھی
ایک بھرتا ہے تو سو زخم ابھر جاتے ہیں

جرأتِ عرضِ تمنا بھی نہیں کر سکتے
سامنے سے وہ کئی بار گزر جاتے ہیں

ہم تو کانٹوں پہ بھی ہنستے ہیں مگر اہلِ خرد
بسترِ گل پہ بھی با دیدۂ تر جاتے ہیں

تا سرِ دل کو لئے شہرِ تمنا میں خیال
ایک ایک چہرے کو ہم تکتے گزر جاتے ہیں

O

شعاعِ نور نظر برف بن گئی دیکھو — گلوں سے جل گیا دامانِ زندگی دیکھو

نئی بہار کے دامن کی تازگی دیکھو — زمینِ صبح پہ پھیلتی ہے تیرگی دیکھو

کس احتیاط سے گلچیں نے سیر کروائی — نسیمِ صبح بھی ہم سے نہ مل سکی دیکھو

بنامِ صبح اندھیروں کے زخم کھائے ہیں — کھڑی ہے دشتِ تمنا میں زندگی دیکھو

جہاں میں دار و رسن کی سزائیں دے دیکر — نگاہِ وقت کی معصوم بن گئی دیکھو

شمیمِ درد اندھیر دل میں پھیل جانے دو — پھر اس کے بعد مرے غم کی روشنی دیکھو

نہ انقلاب کی باتیں نہ ارتقا کا شعور — جدید دور کے انساں کی آگہی دیکھو

اب ان کی آنکھیں چراغوں کی طرح جلتی ہیں — کہاں کی بات کہاں تک پہنچ گئی دیکھو

بہار آتے ہی میرے جنوں کی بات چلی — خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی دیکھو

سلگ رہے ہیں نشیمن بھری بہاروں میں
خیال سے کوئی کہتا ہے روشنی دیکھو

روشنی پیار کی پھیلی ہے سیہ خانے میں
آپ ہی آپ ہیں دیوانے کے افسانے میں

بادہ اتنا ہے کہ پلکوں سے لہو ٹپکا تھا
کونسا رنگ ہے ساقی ترے پیمانے میں

تلخیٔ غم سے وہ محروم ہوئے ہیں شاید
تذکرہ جن کا نہیں صبح کے افسانے میں

کاسۂ چشم میں اشکوں کو سجاتے دیکھئے
آپ کیوں روتے ہیں ہنستے ہوئے میخانے میں

مجھ کو پینے کی اجازت تو ملی ہے لیکن
زہرِ قاتل بھی ہے اور مے بھی ہے میخانے میں

دیکھنا چشمِ کرم کس کی طرف اٹھتی ہے
سب کے ہاتھوں میں تہی جام ہیں میخانے میں

کم سے کم مجھ کو تو پینے سے نہ روکو ورنہ
آگ لگ جائیگی جلتے ہوئے میخانے میں

کیوں پلاتا ہے ہمیں صبح کا امرت کہہ کر
رات کا زہر ہے ساقی ترے پیمانے میں

کب تلک جلتا رہوں صبح کے دامن میں خیال
زندگی رک گئی ہے نور کے پیمانے میں!

پہلے دیوانے کے زخموں کو تو دھویا جائے
پھر اُسے شوق سے سولی پہ چڑھایا جائے

کب تلک دردِ مسلسل کو چھپایا جائے
کب تلک عرضِ تمنا میں گزارا جائے

جو خیالوں کے شبستاں میں ہیں کھوئے کھوئے
اے غمِ عشق انھیں کیسے جگایا جائے

زندگی کے کسی شعبے میں بھی اے زندہ دلو!
غیر کیا دوست کا احساں نہ اٹھایا جائے

کوئی چہرہ بھی نہیں گردِ سفر سے میلا
قافلے والوں کا انجام نہ دیکھا جائے

جا نہیں سکتے عنادل کہیں بیرونِ چمن
برق کی زد میں نشیمن کو سجایا جائے

ہر قدم پر نئے انداز کی پابندی ہے
کس طرح شہرِ تمنا کو بسایا جائے

موجِ آوارہ چلی آتی ہے ساحل کے قریب
اب تو ساحل کے بھی دامن میں نہ ٹھہرا جائے

اشک پیتے ہیں تو آہوں سے الجھتا ہے خیال
اے غمِ عشق تجھے کتنا چھپایا جائے

○

شہرِ وفا کو آپ نہ مقتل بنائیے — اپنے ہی دوستوں کو نہ یوں مار ڈالیے

میں کب سے کہہ رہا ہوں مری بات مانیے — دشمن بھی راہ میں جو ملے ٹھہر جائیے

اس فصلِ گل کا کچھ بھی سہی حق ادا تو ہو — کانٹے نہ ہوں تو پھولوں سے رشتہ جمائیے

اب تو معاشرہ کی جبیں خود ہی جھک گئی — اب تو نگاہِ وقت سے آنکھیں ملائیے

ڈوبیں گے تیرگی میں اجالوں کی بستیاں — دشمن کے بھی گلے پہ نہ خنجر چلائیے

اپنوں کی انجمن میں کوئی اجنبی نہیں — لہجہ بدل کے آپ نہ ہم کو بلائیے

لوگوں نے پھر لباسِ مروت پہن لئے — بھولے سے بھی نہ زخمِ تمنا سجائیے

دامن ہوا ہے چاک بہاروں میں اے خیالؔ
پھولوں کی آرزو میں نہ گلشن کو جائیے

ضبط کا آس کا ہم زہر پیئے جاتے ہیں!
آپ کے پیار کی ہم داد دیئے جاتے ہیں

صبح کو ڈھونڈنے نکلے ہیں ستم دیدۂ شب
دوش پر اپنی صلیبوں کو لیئے جاتے ہیں

اب اسیروں سے بھی کرنے لگے سودا صیاد
اب رہائی کے بھی کچھ دام لیئے جاتے ہیں

ہوش مندوں سے جو ممکن نہیں ہونے پاتے
تیرے دیوانوں سے وہ کام لیئے جاتے ہیں

وقت کا قافلہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا کبھی
آپ کیوں وقت کو برباد کیئے جاتے ہیں

کتنا نازک ہے مداوائے محبت یارو
پیار کے زخم نگاہوں سے سیئے جاتے ہیں

آ گئے اپنی ہی آواز کے دھوکے میں خیال
دل کے صحرا کو بہاروں میں لیئے جاتے ہیں

فرازِ دار پہ ہم لوگ مسکراتے ہیں
غمِ حیات تری آبرو بچاتے ہیں

تری گلی میں جو خاموش رہتے ہیں اکثر
قدم قدم پہ نیا انقلاب لاتے ہیں

جہاں پہ عقل کے ماروں نے ہار دی بازی
ترے دیوانے وہاں ہم کو یاد آتے ہیں

خرد زدوں سے چلے گا نہ کاروبارِ جنوں
وفا کی راہ میں دیوانے کام آتے ہیں

ترا کرم تو بڑی بات ہے محبت میں
ترے ستم بھی دیوانوں کو راس آتے ہیں

خیالِ ضبط کی قندیل اور تیز کرو
بنامِ صبح اندھیرے قریب آتے ہیں!

حسنِ مغرور بھی محتاجِ شکیبائی ہے
بات زخموں کی بہت دور چلی آئی ہے

آپ کا غم ہے شبِ تار ہے تنہائی ہے
دل تماشہ ہے مرا ظرف تماشائی ہے

ایک ہی بار ملاقات ہوئی ہے تم سے
ایسا لگتا ہے کہ مدت سے شناسائی ہے

فرشِ گل پر بھی میسر نہیں دانش کو سکوں
تیرے دیوانوں کو کانٹوں پہ بھی نیند آئی ہے

شب نما صبح کے آنگن میں ٹہلنے والو
سچ بتاؤ تمہیں کب چین سے نیند آئی ہے

مسکراتے ہوئے بیمار نے آنکھیں کھولیں
تیرے لہجے میں بھی اعجازِ مسیحائی ہے

دشتِ احساس میں اس کو بھی بھٹکنے دو خیالؔ
جو غمِ عشق کا خود ساختہ سودائی ہے

○

راہِ وفا میں کام نہ آئیں تو کیا کریں
ہاتھوں سے تیرے زہر نہ کھائیں تو کیا کریں

شہرِ وفا کے جاگتے میخانے سو گئے
یارو اب انقلاب نہ لائیں تو کیا کریں

تیرے قریب آکے بھی تجھ سے نہ مل سکے
خاموشیوں کا زہر نہ کھائیں تو کیا کریں

آگے نکل نہ جائیں بہاروں کے قافلے
ہم اپنا آشیاں نہ جلائیں تو کیا کریں

غم ہائے زندگانی بھلانے کے واسطے
اے دوست تیرے پاس نہ آئیں تو کیا کریں

دیوانے آنسوؤں کو بھی ساقی کے پی گئے
اب جشنِ تشنگی نہ منائیں تو کیا کریں

دیوارِ شب پہ دوستو روشن کرو چراغ
دیوانے گر نہ ہوش میں آئیں تو کیا کریں

ہم نے تو ان کی راتوں کو نورِ سحر دیا
اب وہ چراغِ صبح بجھائیں تو کیا کریں

تنہائیوں نے چھین لیا ہے ترا خیال
یادوں کی انجمن نہ سجائیں تو کیا کریں

○

نہ آگہی کے لئے ہے نہ بے خودی کیلئے
تمہارے غم کی تمنا ہے برتری کے لئے

اُنھی کا نام نہیں صبح کے فسانے میں
تمام رات جلے تھے جو روشنی کے لئے

ہزار طرح کا سامانِ زندگی ہو مگر
تمہاری یاد ضروری ہے زندگی کے لئے

کہاں تک آگئی ذوقِ نگاہ کی پستی
اب آدمی ہی تماشہ ہے آدمی کے لئے

ترے سلوک کے زخموں کا آئینہ ہے دل
جسے سجایا گیا ہے تری خوشی کے لئے

کھڑا ہوں کب سے میں تنہائی کے سمندر میں
اٹھی نہ موج کوئی میری رہبری کے لئے

خیال کون بچے اس نظر کی مستی سے
جو پارسا کو بھی اکسائے میکشی کے لئے

○

گلستاں کی فصیلوں کی طرح جو کام آئے ہیں
بہار آئی تو اُس پر وقت نے پتھر چلائے ہیں

جنھوں نے امن و آزادی کے میخانے سجائے ہیں
انہی کو عصرِ نو نے زہر کے پیالے پلائے ہیں

ہمیں لینا نہیں ہے کچھ اجالے دیکھ جانا ہے
چراغوں کی طرح محفل میں تیری جلنے آئے ہیں

بہاریں رقص کرتی تھیں جہاں گُل مسکراتے تھے
وہاں اہلِ چمن نے آج کل مقتل سجائے ہیں

مجھے آواز دیتے ہیں در و دیوارِ میخانہ!
مرے غم آشنا سنگِ تغافل ساتھ لائے ہیں

سناؤں کس طرح میں گردشِ دوراں کے افسانے
مقدر مسکرایا آپ جب بھی مسکرائے ہیں

انھیں کیا شہر کی تہذیب نے ہر موڑ پر لوٹا
چمن کو چھوڑ کر وہ لوگ کیوں صحرا میں آئے ہیں

خیالؔ اب شوق سے چلنا پڑا مقتل کی راہوں میں
سنا ہے وہ مری محرومیوں پر مُسکرائے ہیں

○

اسیرِ گیسوئے جاناں کو جو ستائیں گے
تمام عمر محبت کے زخم کھائیں گے

کبھی تو زہر پلایا کبھی تو قتل کیا
کہاں تک آپ ہمیں اور آزمائیں گے

چلو کہ تیز کریں لَو نئے چراغوں کی
سسکتی شمعوں سے پروانے روٹھ جائیں گے

چراغ لے کے کہاں ڈھونڈتے ہو وحشی کو
تمہارے زخمِ تمنّا بھی مسکرائیں گے

شہید ہو گئے دیوانے نام لے کے ترا
ہر ایک دور میں لیکن وہ یاد آئیں گے

غمِ حیات کے دامن کو تھام لیجیے خیالؔ
مسرّتوں کے دیئے خود ہی جھلملائیں گے

ہم نے زندہ رہنے کے وہ اصول برتے ہیں
اب نظر ملانے کو حادثے بھی ڈرتے ہیں

جب وہ نرم لہجے میں ہم کو یاد کرتے ہیں
پھول کیا بہاریں کیا، دشت بھی سنورتے ہیں

ہر نئی روایت پر ہر نئے قرینے پر
بعض لوگ تقریباً اعتراض کرتے ہیں

جو دماغ پھولوں کے زخم بھی نہ سہتے تھے
آج وہ تو کانٹوں سے بھی نباہ کرتے ہیں

قافلے محبت کے درد کی تمنّا میں
دشت ہو کہ زنداں ہو شوق سے اترتے ہیں

ہر ستم گوارا ہے تیرا غم نرالا ہے
روز بھول جاتے ہیں روز یاد کرتے ہیں

بے خودی کے عالم میں بھیگی بھیگی راتوں میں
وہ مرے خیالوں کی راہ سے گزرتے ہیں

کس قدر اندھیرے میں دیکھئے گلستاں ہیں
پھول بھی بہاروں میں مسکراتے ڈرتے ہیں

جب خیال آتا ہے اُن کی زلفِ برہم کا
لفظ مسکراتے ہیں قافیے سنورتے ہیں

وفا کی راہ میں ترکِ شعار کیوں کرتے
ترے اسیر رہائی سے پیار کیوں کرتے

ابھر سکے نہ جہاں نقش تیرے قدموں کے
مرے قدم وہ روش اختیار کیوں کرتے

مجھے تو دشتِ تمنا کی سیر کرنا تھا
کرم کا راستہ تم اختیار کیوں کرتے

نظر نظر میں اگر تو نہ بس گیا ہوتا
نفس نفس میں ترا انتظار کیوں کرتے

جنھیں مزاجِ چمن کا نہیں ہے اندازہ
گلوں کے ساتھ وہ کانٹوں سے پیار کیوں کرتے

بنا چکے جو چمن کو پناہ گاہِ خزاں
وہ پھر عنادلِ گلشن سے پیار کیوں کرتے

نہ میرے پاس چمن ہے نہ لالہ و گل ہیں
یہ عندلیبِ چمن مجھ سے پیار کیوں کرتے

ترے کرم میں ذرا سا بھی شک اگر ہوتا
ترے خیال سے ہم اتنا پیار کیوں کرتے

O

میرے نغمات میں حالات کا افسانہ ہے　　شہر کا شہر اِسی واسطے دیوانہ ہے
اُن کے ہاتھوں کو سرِ شام جلا دے گا جہاں　　جن کے ہاتھوں میں نئی صبح کا پروانہ ہے
کتنے ارماں کا لہو اِس میں ہوا ہے شامِل　　آپ کے ہاتھ میں رنگین جو پیمانہ ہے
کس طرحِ شب کی لکیروں کا مٹایا جائے　　چہرۂ صبح پہ بھی رات کا افسانہ ہے
گُل نہیں ہوگا چراغِ شبِ امید کبھی　　سینۂ شب میں نہاں سوزشِ پروانہ ہے
کس طرح بولتے سناٹے سے ہم بات کریں　　پسِ دیوار مہکتا ہوا ویرانہ ہے
شمع کی طرح جلو رات کی تنہائی میں　　ڈھل گئی رات تو پھر صبح کا افسانہ ہے
خون سے جلنے لگے ہیں تری محفل کے چراغ　　کون کہتا ہے کہ تو صاحبِ میخانہ ہے

زندگی ہائے یہ کس موڑ پہ لائی ہے خیالؔ
میں جسے اپنا سمجھتا ہوں وہ بیگانہ ہے

ہزار بار ترا سامنا ہوا ہوگا — دیوانہ پھر بھی ترا اجنبی رہا ہوگا

مجھے زمانے نے مڑ کر بھی دیکھنے نہ دیا — چلا تھا سوچ کے میں تیرا سامنا ہوگا

اسی لئے تو اندھیروں نے پاؤں پھیلائے — رخِ سحر پہ کوئی سانپ لوٹتا ہوگا

لہو سے شہرِ شہادت ہے سرخرو اب بھی — میں سوچتا ہوں ترے غم کا سلسلہ ہوگا

چمک رہے ہیں کچھ آنسو جنوں کی پلکوں پر — خرد کے ہاتھ میں بھی غم کا آئینہ ہوگا

فرازِ دار پہ دیوانہ کس طرح ہنستا — ترے حسین تعلق کا آسرا ہوگا

جس اجنبی کو اٹھا لیا ہے تم نے محفل سے — ہر اک مقام پہ وہ تم کو ڈھونڈتا ہوگا

سمجھ رہے ہو غزل کو ذریعۂ تشہیر
خیالؔ اس سے بڑا فن پہ ظلم کیا ہوگا

○

تیری ابرو کے کھلتے باب کہاں
کھل بھی جائیں تو ہم کو تاب کہاں

یوں تو تجھ پہ ہزار قرباں ہیں
تیرے دیوانے کا جواب کہاں

آخرِ شب ترے حضور میں ہوں
بے خودی ہے یہ لطفِ خواب کہاں

روشنیِ غم کی بانٹ دی ہم نے
اب ترا غم بھی دستیاب کہاں

تیرے جلووں کا سامنا کیا
میری آنکھوں میں اتنی تاب کہاں

میکدہ کو ہی چلیے آج خیالؔ!
زہرِ غم کا کوئی جواب کہاں

۹۱/۲

○

دل جس کا دردِ عشق کا حامل نہیں رہا — وہ شخص تیرے پیار کے قابل نہیں رہا
جب بھی حنائی ہاتھوں سے گیسو سنور گئے — آئینۂ بہار مقابل نہیں رہا
ہر آستاں سے لوٹ کے آنا پڑا اسے — جو تیرے در پہ آنے کے قابل نہیں رہا
محرومیاں ہی جس کا مقدر رہیں دوستو — وہ محفلِ نشاط کے قابل نہیں رہا
جب تم نہ تھے تو کچھ بھی نہیں تھا بہار میں — تم آ گئے تو کوئی مقابل نہیں رہا
دیوانے تیرے ڈوب گئے گہری نیند میں — زنداں میں شورِ طوق و سلاسل نہیں رہا
جب آپ مسکرائے غمِ دل کی بات پر — دل، درد کو چھپانے کے قابل نہیں رہا

تنہائیوں کی بزم ہی اچھی رہی خیالؔ
محفل میں پُر سکون کبھی دل نہیں رہا

ہمارے دور میں انسان کی جان کتنی سستی ہے
ادھر قاتل کی بستی ہے اُدھر قاتل پرستی ہے

لباسِ صبح میں جو ظلمتوں کے ساتھ چلتے تھے
انہی کی زندگی شب میں اجالوں کو ترستی ہے

سنبھل کر سوچ کر چلنا اجالوں کے پرستارو
زمینِ صبح پر ظلمت پرستوں کی بھی بستی ہے

ابھی ذہنوں میں ہیں آرائشِ گلشن کے منصوبے
نہ کوئی صبح ہنستی ہے نہ کوئی شام ہنستی ہے

جو زنجیرِ درِ زنداں بڑھ کر کھٹکھٹاتے ہیں
انھیں ماحول ڈستا ہے نئی تہذیب ڈستی ہے

چراغِ شام بن کر جو جلا ہے تیری محفل میں
اندھیرا اس کی قسمت ہے اجالا اس کی ہستی ہے

بہت ممکن ہے اب شب کی فصیلیں ٹوٹ جائیں گی
خیال اب تو دستکوں میں اجالوں کی دنیا تو ہے

○

زہر بکتا ہے روایات کے میخانہ میں
اب کوئی دیر نہیں رات کے ڈھل جانے میں

زندگی بھر کی حکایات ابھی ختم ہوئیں
دیر کی اس نے پیامات کے پہنچانے میں

یوں تو پروانہ روایات شکن تھا لیکن
شمع خاموش جلی رات کے ویرانے میں

گرمیٔ آہ سے دامن نہ سلگ جائے کہیں
دفعتاً آنکھوں کی برسات کے رک جانے میں

زخم دل کھلتے ہیں یادوں کی کسک بڑھتی ہے
بھولے بسرے ہوئے لمحات کے یاد آنے میں

راز پوشیدہ ہیں سرشار تمناؤں کے
تیری آنکھوں کے خرابات کے افسانے میں

شب کے ماتھے پہ لہو جس کا چمکتا ہے خیال
ذکر اس کا ہی نہیں رات کے افسانے میں

آپ زلفوں کو پریشان کئے بیٹھے ہیں
کیوں مرے قتل کا سامان کئے بیٹھے ہیں

موسمِ گل میں بھی پابندِ سلاسل ہو کر
ہم اسیری پہ بھی احسان کئے بیٹھے ہیں

میرے حالات سے ہیں آپ بخوبی واقف
پھر بھی بربادی کے سامان کئے بیٹھے ہیں

زہرِ بربادیٔ غم پی کے ترے دیوانے
منزلِ عشق کو آسان کئے بیٹھے ہیں

اپنے دیوانے کا بے وجہ گریباں سی کر
آپ خود چاک گریبان کئے بیٹھے ہیں

عندلیبانِ چمن گل سے ذرا دور رہیں
لوگ صیاد کو مہمان کئے بیٹھے ہیں

کشتگانِ شبِ ہجراں کو دعائیں دو خیالؔ
حسن والوں کو پشیمان کئے بیٹھے ہیں!

○

تمہارا غم جو گریباں طلب نہیں ہوتا   مرا جنوں بھی بیاباں طلب نہیں ہوتا
اسیرِ پنجۂ غم گر نہ ہوتا دیوانہ   بہار میں بھی وہ زنداں طلب نہیں ہوتا
نگاہِ دوست تری بے رخی رہے قائم   جنونِ عشق بھی درماں طلب نہیں ہوتا
سلوکِ فصلِ بہاراں ہے اور بات مگر   خزاں میں کون بہاراں طلب نہیں ہوتا
خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی ہوتی   جنوں جو زلفِ پریشاں طلب نہیں ہوتا
غموں کے زخم لگاؤ جگر قرینے سے   جنوں سکون کا ساماں طلب نہیں ہوتا

مزاجِ غم کو سمجھتا اگر خیالِ حزیں
فغاں نصیبِ بیاباں طلب نہیں ہوتا

○

سو قافلے بہار کے ٹھہرا رہا ہوں میں
اک تیرا انتظار کئے جا رہا ہوں میں

ساقی تری نظر سے پیے جا رہا ہوں میں
تیری نظر سے کتنا قریب آ رہا ہوں میں

اٹھا ہوں تیری بزم سے خالی اگر تو کیا
اے دوست تیرے غم کو لئے جا رہا ہوں میں

ماضی کی بات چھوڑیئے گذری گذر گئی
اب حال کے بھی نام سے گھبرا رہا ہوں میں

اب تک ترا مزاج سمجھ میں نہ آ سکا
مدت سے تیری زلف کو سلجھا رہا ہوں میں

جب سے خرد کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی
یارو وفا کا آئینہ چمکا رہا ہوں میں

کس کی گلی ہے اس کی خبر بھی نہیں خیالؔ
اک شور اٹھ رہا ہے جدھر جا رہا ہوں میں

ہاتھوں میں ابھی پیار کی شہنائی کہاں ہے ہونٹوں پہ وفا کی کوئی بات آئی کہاں ہے

کیوں شاخِ نشیمن کی طرف ہیں تیری نظریں صیاد ابھی فصلِ بہار آئی کہاں ہے

جس دل میں ہے تو، انجمن ناز ہے وہ بھی دل ویسے اکیلا ہی، تنہائی کہاں ہے

یہ جلتے ہیں دم بھر، وہ پگھلتے ہیں سحر تک شمعوں کی پتنگوں سے شناسائی کہاں ہے

حالات کے جنگل سے میں آیا ہوں گذر کر مجھ کو تو بتاؤ کہ بہار آئی کہاں ہے

اس واسطے میں فصلِ بہاراں میں بھی چپ ہوں زخموں کو سجاؤں، تو تماشائی کہاں ہے

دشمن کی طرح مجھ سے نہ برتاؤ کرو تم اپنوں سے بھی اب تم کو شناسائی کہاں ہے

مانوسِ خیال آپ ہیں گلشن کی ہوا سے
لیکن یہ ہوا آپ کو راس آئی کہاں ہے

○

انھیں کو اہلِ جہاں دار پر چڑھاتے ہیں
غمِ حیات میں جو لوگ مسکراتے ہیں

جو شمعِ رُخ کے اجالوں سے دور جاتے ہیں
تمام رات اندھیروں کے زخم کھاتے ہیں

ذرا گزرتی بہاروں کو دیجیے دستک
چمن نوازِ حدودِ چمن میں آتے ہیں

شبِ فراق مرے انتظار کے آنسو
چمک چمک کے اندھیروں کے کام آتے ہیں

بہت حسیں ہیں چمکتے ہوئے ستاروں سے
وفا کے پھول جو آنکھوں میں مسکراتے ہیں

تم اپنی زلف کو لہراؤ چھاؤں پھیلاؤ
یہاں تھکے ہوئے راہی سکون پاتے ہیں

کہاں خیال، کہاں جادۂ وفا کا سفر!
مجھے یقین ہے وہ ساتھ ساتھ آتے ہیں

اے صاحبانِ عشق دلوں کو سنبھالیے
یا ہر خوشی کے سامنے ہتیار ڈالیے

راہِ وفا میں دشمنِ دل کو بھی پالیے
منزل رسی کی دُھن میں یہ عادت بھی ڈالیے

کانٹے بھی پھول بن گئے خوشبوئے درد سے
اتنا نہ داغِ دل کو چمن میں اچھالیے

آنکھیں بھی فرشِ راہ ہیں، دل بھی ہے فرشِ راہ
پھر جاں نواز درد کی صورت نکالیے

سو بار کیجیے گردشِ دوراں کا اہتمام
سو بار کوئے یار کے قصّے نکالیے

مستوں سے جام لیجیے ساقی ہے اُس کا ہوش
بڑھ کر خرد کے پاؤں میں زنجیر ڈالیے

مانا کہ میکدہ میں کئی خودپسند ہیں
لیکن کبھی کسی کی نہ پگڑی اچھالیے

بادہ کشوں کی بزم میں مت جائیے خیالؔ
غم آشنا نہ ہوں تو غموں کو نہ پالیے

○

کنارہ دور ہے ٹوٹا ہوا سفینہ ہے
ابھی تو موجِ تلاطم میں ہم کو جینا ہے

شراب گر نہیں ساقی تو زہر ہی دیدے
مجھے تو تشنگیٔ دل بجھانے پینا ہے

ابھی تو ہم نے نظر بھر کے بھی نہیں دیکھا
ابھی سے آپ کے ماتھے پہ کیوں پسینہ ہے

نگاہِ دوست سے بربادیاں چھپانے کو
جگر کے زخم، گریباں کے چاک سینا ہے

وفا کے نام کی توہین کرتے ہیں وہ لوگ
دلوں میں جن کے عداوت ہے بغض و کینہ ہے

غمِ حیات، غمِ آرزو، غمِ الفت
ہمارا دل بھی غموں کا عجب دفینہ ہے

ہجوم درد و الم شامِ غم کی تنہائی
ترے خیال کے بنا جینا بھی کوئی جینا ہے

○

جب تک مزاجِ دوست میں کچھ برہمی رہی
گویا بجھی بجھی سی مری زندگی رہی

جس پر نگاہِ لطفِ کرم آپ کی رہی
حیرت سے ہر نگاہ اُسے دیکھتی رہی

گو میں رہا کشاکشِ دوراں سے ہم کنار
لیکن مرے لبوں پہ ہنسی کھیلتی رہی

لایا ہے عشق نے مجھے ایسے مقام پر
خود آگہی رہی نہ خدا آگہی رہی

جوشِ جنوں نے منزلِ مقصود پا لیا
عقلِ سلیم دیکھتی ہی دیکھتی رہی

سب کچھ مجھے خیال کی دنیا میں مل گیا
لیکن تمہارے حسنِ نظر کی کمی رہی

O

نوازشِ غمِ جاناں بھی ہے مگر کم کم
مری حیات ہے یا انتشار کا عالم

تری جفائے مسلسل کا شاہکار ہیں ہم
پناہ مانگنے آتے ہیں ہم سے جور و ستم

چمن میں نکہتِ گُل پھر رہی ہے آوارہ
بہار مانگنے آئی ہے تیرے نقشِ قدم

سلامت آپ کے رخسار و لب کی رنگینی
نہ ہو گی شمعِ تمنّا کی روشنی مدھم

گزر کے دیکھ ذرا تو بھی غم کی وادی سے
کہ کس قدر ہے گراں آج اعتبارِ کرم

ہر اعتبارِ انا تم کو زیب دیتا ہے
زباں سے اپنی کہو مرکزِ خیال ہیں ہم

○

اے دل اچھا نہیں مصروفِ فغاں ہو جانا
غم کی توہین ہے اشکوں کا، رواں ہو جانا

دل کی آواز بھی مجروح، جہاں ہوتی ہے
ایسے حالات میں خاموش وہاں ہو جانا

میرے آنسو جو گریں ٹانک لو تم جوڑے میں
دیکھ لے کوئی تو پھولوں کا گماں ہو جانا

اہلِ ساحل کو بھی اندازۂ طوفاں ہو جائے
قطرۂ اشک! ذرا سیل رواں ہو جانا

رخصتِ موسمِ گل کے بھی اٹھا و صدمے
اتنا آساں نہیں احساسِ خزاں ہو جانا

قید موسم نہیں نغماتِ غنا دل کے لیے
کوئی موسم ہو گلِ تر کی زباں ہو جانا

میرے جینے کا سہارا تھیں جو نظریں کل تک
کیا ستم ہے انھیں نظروں کا گراں ہو جانا

شوق افزا ہے یہ اندازِ حجابِ خوباں
دل میں رہتے ہوئے آنکھوں سے نہاں ہو جانا

وہ گلستاں میں جو آجائیں تو ممکن ہے خیال
مسکراتی ہوئی کلیوں کا جواں ہو جانا

○

انھیں کو سینۂ شب میں اترتے دیکھا ہے
دیارِ صبح کا نقشہ جنھوں نے کھینچا ہے

فریبِ قرب میں کتنے ہی مبتلا ہیں مگر
تیرے مزاج کو دراصل کس نے پایا ہے

تبسموں کا اجالا کرم نہیں ہوتا
غم، احتیاط کا دھیما سا ایک شعلہ ہے

جنوں کی راہ سے نزدیک ہے تمہاری گلی
براہِ دیر و حرم اک طویل پھیرا ہے

اگر خلوص نہیں ہے تو دل نہ توڑو تم
سنا ہے حُسنِ طبیعت ہی حسن ہوتا ہے

مسرتوں نے منائے ہیں کتنے جشن مگر
رُخِ حیات پہ اب تک بھی غم کا غازہ ہے

نہ پوچھیے دلِ فیض الحسن خیالؔ کا حال
دیارِ درد میں شب ہے نہ تو سویرا ہے